اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز

ابو المنصور حافظ محمد انور قادری ایم۔ اے

رضا پبلی کیشنز، لاہور

کتاب	اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی
مؤلف	ابو المنصور حافظ محمد انور قادری ایم۔اے
پروف ریڈنگ	محمد حنیف اظہر
مطبع	مولا والا پرنٹرز لاہور
ناشر	رضا پبلی کیشنز لاہور
تعداد	ایک ہزار
بار اول	ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ اکتوبر ۱۹۷۸ء

ملنے کا پتہ

رضا پبلی کیشنز

مین بازار داتا صاحب۔ لاہور

حرفِ آغاز

برِّ عظیم پاک و ہند میں جب سے اسلام آیا تو اُس وقت سے اس میں حنفی سُنّی مذہب ہی غالب رہا۔ اسی مذہب کی اس خطّے میں اکثریت رہی اور اکثر مسلمان بادشاہوں کا بھی یہی مذہب رہا ہے مگر اس مذہب میں پہلی بار شہنشاہ اکبر نے اپنا خود ساختہ مذہب 'دینِ الٰہی' نافذ کر کے براہِ راست مداخلت کی۔ حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر کے 'دینِ الٰہی' کو مٹانے کے لیے اپنی ساری زندگی وقف کر ڈالی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس عظیم مقصد میں کامیابی عطا فرمائی۔ اکبر کا 'دینِ الٰہی' صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہ گیا۔ پھر اس کے رہے سہے آثار کو بعد کے علمار و مشائخ نے کلیۃً ختم کر کے ہی دم لیا۔ اور اِس طرح سے حنفی سُنّی مذہب ایک بار پھر خالص اور اصلی حالت میں مسلمانوں کے سامنے آگیا۔

بدقسمتی سے سترھویں صدی ہجری کے وسط میں سرزمین نجد سے

ایک اور لادینی تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی ۔ اس تحریک کا بانی عبدالوہاب نجدی تھا ۔ نام کی مناسبت سے اس کو "وہابی تحریک" بھی کہا جاتا ہے ۔ اس نے بڑے زور و شور کے ساتھ اپنے نظریات کی تبلیغ شروع کر دی ۔ سعودی عرب بھی اس تحریک کی لپیٹ سے بچ نہ سکا اتفاق سے اُسی دوران میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے ایک فرد مولوی اسماعیل نجدی تحریک سے متاثر ہو گئے ۔ اُنھوں نے پاک و ہند میں . . .

. . . . . . اُن ہی خطوط پر نجدی تحریک کا آغاز کر دیا اور یوں برِ عظیم پاک و ہند میں خالص حنفی سُنی عقائد میں نجدی آمیزش نے اکبر کے "دینِ الٰہی" کی طرح ایک اور طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا ۔ علمائے حق بر وقت میدان میں اتر پڑے اور انھوں نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق تبلیغ کر کے نجدیت کو بے نقاب کیا ۔ مگر ان سب میں جس قدر شدت کے ساتھ اعلیٰحضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز نے کھل کر کام سرانجام دیا ۔ وہ ان ہی کا حصہ تھا ۔

اعلیٰحضرت عظیم البرکت کا اصل مقصد یہی تھا کہ خالص حنفی سُنّی عقائد میں سے نجدی عقائد کی ملاوٹ کو الگ کر کے رکھ دیا جائے۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے آپ نے دن رات سخت محنت کی۔ مخالفین نے بھی آپ پر اپنے معاندانہ حملے جاری رکھے اور آپ کو بدنام کرنے کی انتھک کوشش کی۔ اُنھوں نے عوام الناس کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنے کی انتہائی کوشش کی کہ مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں کو کافر بنانے کے لیے ایک مشین کھول رکھی ہے اور وہ کافر بنانے میں بالکل بے باک ہیں۔ نیز یہ کہ مسلمانوں کی کوئی بھی اصلاحی تحریک اٹھتی ہے تو موصوف اُس تحریک کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ آپ پر یہ سراسر جھوٹ اور افترا ہے۔ اس وقت اگرچہ اعلیٰحضرت بقیدِ حیات نہیں ہیں مگر اُن کی ایک ہزار سے زائد تصانیف تو ہم میں موجود ہیں۔ اِن کے مطالعے کے بعد اس قسم کے شکوک و شبہات کا خود بخود ابطال ہو جاتا ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت نے جو دینی خدمات سرانجام دیں ہیں اُن کا خلوصِ دل کے ساتھ اعتراف کیا جاتا اور آپ کی تعلیمات سے کما حقہٗ استفادہ کیا جاتا۔ ضرورت تو یہ تھی کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت کے تخلیقی

و تحقیقی کام سے لوگوں کو واقف کرایا جاتا، یونیورسٹیوں کی سطح تک ایسے
روشناس کرایا جاتا اور آپ کے ۵۱ قسم کے علوم وفنون سے علیحدہ علیحدہ
مگر صحیح طور پر استفادہ کیا جاتا مگر اب تک ایسا نہ ہوسکا کیونکہ اعلیٰحضرت
عظیم البرکت کا سب کام مخالفین کے مذموم پروپیگنڈے کی زد میں آگیا
کیا بر ّ ِعظیم کے اس عظیم محقق کے ساتھ اس قدر بے رُخی اور بے اعتنائی
پر ہم سب سے پوچھ گچھ نہ ہو گی جس نے دن رات سخت کوشش سے دین
کی سربلندی کے لیے کام کیا؟ بلاشبہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت موجودہ دور
کے ایک عظیم مگر مظلوم مفکر ہیں، جن کی تعلیمات سے فی الواقع، مخالفین
کے پراپیگنڈے کے باعث، روگردانی ہوتی رہی ہے۔ مگر اب بھی وقت
ہے کہ آپ کی تعلیمات پر توجہ مبذول کرائی جائے اور آپ کی تصانیف
سے استفادہ کیا جائے۔

زیر نظر کتاب میں میں نے اعلیٰحضرت عظیم البرکت کے علمی و تحقیقی مقام کو
اُجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔ میں نے یہ بھی خیال رکھا ہے کہ آپ پر عقیدت
کے پھول نچھاور کرنے کی بجائے، غیر جانبدار رہ کر صحیح صحیح حالات و
واقعات لکھ کر آپ کا اصل مقام عوام النّاس کے سامنے پیش کر دیا

جس طرح کہ ایک سوانح نگار کو کام کرنا چاہیے۔ میں نے بھی انشاءاللہ ان ہی خطوط پر چل کر خوب تحقیق کے بعد حالات کو قلمبند کیا ہے جس کا اندازہ قارئین کو خود بخود اس کتاب کے مطالعے کے بعد ہوتا جائے گا۔

اعلیٰحضرت عظیم البرکت کی زیر نظر سوانحعمری مرتب کرنے میں درج ذیل کتابوں اور رسالوں سے استفادہ کیا گیا ہے:

انوارِ رضا، ماہنامہ المیزان بمبئی، حیات فاضل بریلوی، ستارے، فاضل بریلوی اور ترک موالات، عاشق رسول، تاریخ مسلمانانِ عالم، تاریخ انڈو پاک اور آزادی کے مجرم۔ میں ان کے مصنفین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں اس موقع پر جناب حکیم اہلِ سُنّت الحاج حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کا بھی بیحد شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے اعلیٰحضرت عظیم البرکت کی عظیم خدمات و تعلیمات کو اجاگر کرنے کے لیے یہ کتاب مرتب کرنے کی طرف ترغیب دی۔ یہ ہی نہیں بلکہ انھوں نے اس موضوع سے متعلق کتابیں مرحمت فرمائیں اور وقتاً فوقتاً رہنمائی اور حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔

الحمد للہ علیٰ ذالک

بندۂ ناچیز

ابوالمنصور حافظ محمد انور قادری غفرلہ

۵۵ - ریلوے روڈ، لاہور

مورخہ ۴ر جولائی ۱۹۷۸ء

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

نام والد ماجد نے آپ کا نام "محمد" اور جدِّ امجد مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے "احمد رضا" رکھا۔ آپ کا حروفِ ابجد کے اعتبار سے تاریخی نام "المختار" ہے جس سے آپ کی ولادت کا سال ۱۲۷۲ھ نکلتا ہے۔ آپ نے اپنا خود "عبد المصطفیٰ" نام رکھا۔ شیخ حسین بن صالح رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نام "ضیاء الدین احمد" رکھا۔ جس کا لفظی معنی ہے: "احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دینِ مبین کی روشنی"۔ مولانا عبد المقتدر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو "مجدّد مائۃ حاضرہ" یعنی "موجودہ صدی کے مجدّد" کا لقب دیا ہے۔ آپ کا تخلّص "رضا" ہے۔ اہلِ سُنت و جماعت آپ کو "اعلیٰحضرت" اور "فاضل بریلوی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ نے قرآنِ مجید کی اس آیت مبارکہ سے اپنی پیدائش کے سال کا عدد نکالا ہے:

"اُولٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ" (۱۲۷۲ھ)

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے اُن کی مدد فرمائی ہے۔"

نسب آپ کے جدِّ اعلیٰ حضرت محمد سعید خاں رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق قندھار کے باوقار قبیلے بڑھیچ کے پٹھانوں سے تھا۔ نادر شاہ نے جس وقت مغلیہ خاندان کے حکمران محمد شاہ رنگیلا پر حملہ کیا تو ۱۷۳۹ء میں یہ بھی اُس کے ہمراہ آئے۔ شروع میں ان کا قیام لاہور میں رہا۔ لاہور کا "شیش محل" ان ہی کی جاگیر میں تھا۔ بعد میں دہلی چلے آئے۔ ان کے بیٹے سعید اللہ خاں مُغلیہ فوج میں شامل ہو گئے اور "شش ہزاری" کا عہدہ حاصل ہوا۔ ان کے بیٹے سعادت یار خاں کو خاندانی شجاعت اور بہادری کے پیشِ نظر بادشاہِ دہلی نے ایک اہم مہم پر بریلی (روہیل کھنڈ) بھیجا۔ آپ نے شاندار فتح حاصل کی تو آپ کو بریلی کا صوبے دار مقرر کر دیا گیا۔ جب بادشاہ کا یہ فرمان آپ تک پہنچا تو اُس وقت آپ موت و حیات کی کشمکش سے دوچار تھے۔ آپ نے پسماندگان میں تین بیٹے چھوڑے یعنی اعظم خاں، معظّم خاں اور مکرّم خاں۔ ان تینوں کی بھی خوب پذیرائی

ہوئی۔ ان میں سے اعظم خاں نے اپنی مستقل رہائش بریلی میں ہی قائم رکھی۔ ان کے بیٹے حافظ محمد کاظم علی خاں تھے۔ ان ہی کے صاحبزادے مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے کامل ولی تھے۔ ان کے بیٹے حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۸۰ء) تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تین بیٹے یعنی احمد رضا خاں، محمد رضا خاں، حسن رضا خاں اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء بوقتِ ظہر بروز اتوار بریلی کے محلہ جسولی میں ہوئی۔ اُن دنوں آپ کے دادا جان زندہ تھے۔ یہ خبر اُن کو ملی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ آپ کے والد آپ کو دادا جان کے پاس لے گئے تو اُنھوں نے اس نومولود کو گود میں لیا اور چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی فرمایا: "میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا۔"

بچپن

آپ کے بچپن کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ تاہم جو چیدہ چیدہ حالات ملتے ہیں۔ اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ

جفر، مناظرہ ومرایا، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، زائرچہ وغیرہ علوم وفنون پر اپنے ذاتی مطالعے سے دسترس حاصل کی۔ آپ کو چار زبانوں یعنی عربی، فارسی، اُردو اور ہندی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ نظم ونثر میں آپ نے اپنی ذاتی محنت وکوشش سے کمال حاصل کر لیا تھا۔

اساتذہ

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم مولانا مرزا غلام قادر بیگ اور دوسرے اساتذہ سے حاصل کی۔ آپ نے ۲۱ شعبہ ہائے علم وفن یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، کلام، صرف ونحو، علم فصاحت وبلاغت، علم بدیع، منطق، معقول، منقول، فلسفہ، تکسیر، مناظرہ، ہیئت، حساب اور ہندسہ وغیرہ میں سے زیادہ تر اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیے۔ ان کے علاوہ مولانا عبد العلی رام پوری اور سیّد شاہ ابوالحسین نوری سے بھی استفادہ کیا۔

آپ اپنے والد ماجد کے ہمراہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۸ء کو حج بیت اللہ ادا کرنے حجازِ مقدس چلے گئے۔ اسی مبارک سفر میں آپ

نے حرمین شریفین کے دو عظیم علماء یعنی حضرت مفتی سید احمد دحلان اور حضرت مفتی عبد الرحمٰن سراج رحمہما اللہ سے قرأت، تصوّف، سلوک، اسماء الرّجال، تاریخ، لُغت اور ادب وغیرہ کی سند حاصل کی۔

فتویٰ نویسی

آپ نے جملہ علوم و فنون کی تکمیل اور دستارِ فضیلت عطا ہو جانے کے بعد صرف چودہ سال کی عمر میں "رضاعت" پر ایک فتویٰ لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے اُنھوں نے بہت پسند کیا۔ اس کے بعد، یہ اندازہ کر کے کہ اس نوجوان عالم میں فتویٰ نویسی کی خداداد صلاحیّت موجود ہے، اُنھوں نے آپ کو فتویٰ نویسی کی باقاعدہ اجازت دے دی۔ اُس روز سے آپ نے اِس عظیم ذمہ داری کو سر انجام دینا شروع کیا اور تادمِ آخر آپ کے قلم سے ہزارہا فتوے جاری ہوئے۔

بیعت

علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے علومِ باطنی کی طرف رجوع کیا۔ چنانچہ ۱۲۹۴ھ میں آپ اپنے والد ماجد کے ہمراہ مارہرہ چلے گئے اور حضرت شاہ آلِ رسول کے مرید ہونے کا شرف حاصل کیا۔ حضرت موصوف نے آپ کو بیعت کرنے کے بعد

جفر، مناظرہ و مرایا، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، زائرچہ وغیرہ علوم وفنون پر اپنے ذاتی مطالعے سے دسترس حاصل کی۔ آپ کو چار زبانوں یعنی عربی، فارسی، اردو اور ہندی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ نظم ونثر میں آپ نے اپنی ذاتی محنت وکوشش سے کمال حاصل کر لیا تھا۔

اساتذہ

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم مولانا مرزا غلام قادر بیگ اور دوسرے اساتذہ سے حاصل کی۔ آپ نے ۲۱ شعبہ ہائے علم وفن یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، کلام، صرف ونحو، علم فصاحت وبلاغت، علم بدیع، منطق، معقول، منقول، فلسفہ، تکسیر، مناظرہ، ہیئت، حساب اور ہندسہ وغیرہ میں سے زیادہ تر اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیے۔ ان کے علاوہ مولانا عبد العلی رام پوری اور سیّد شاہ ابو الحسین نوری سے بھی استفادہ کیا۔

آپ اپنے والد ماجد کے ہمراہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۸ء کو حج بیت اللہ ادا کرنے حجازِ مقدس چلے گئے۔ اسی مبارک سفر میں آپ

نے حرمین شریفین کے دو عظیم علماء یعنی حضرت مفتی سید احمد دحلان اور حضرت مفتی عبد الرحمٰن سراج رحمہما اللہ سے قرأت، تصوّف، سلوک، اسماء الرّجال، تاریخ، لغت اور ادب وغیرہ کی سند حاصل کی۔

فتویٰ نویسی

آپ نے جملہ علوم و فنون کی تکمیل اور دستارِ فضیلت عطا ہو جانے کے بعد صرف چودہ سال کی عمر میں "رضاعت" پر ایک فتویٰ لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے اُنھوں نے بہت پسند کیا۔ اس کے بعد، یہ اندازہ کر کے کہ اس نوجوان عالم میں فتویٰ نویسی کی خداداد صلاحیّت موجود ہے، اُنھوں نے آپ کو فتویٰ نویسی کی باقاعدہ اجازت دے دی۔ اُس روز سے آپ نے اِس عظیم ذمہ داری کو سرانجام دینا شروع کیا اور تادمِ آخر آپ کے قلم سے ہزارہا فتوے جاری ہوئے۔

بیعت

علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے علومِ باطنی کی طرف رجوع کیا۔ چنانچہ ۱۲۹۴ھ میں آپ اپنے والد ماجد کے ہمراہ مارہرہ چلے گئے اور حضرت شاہ آلِ رسول کے مرید ہونے کا شرف حاصل کیا۔ حضرت موصوف نے آپ کو بیعت کرنے کے بعد

تمام سلسلوں میں خلافت کی بھی اجازت دے دی۔ اتفاق یہ ہے کہ اُسی روز آپ کے والد ماجد بھی حضرت موصوف سے بیعت ہوئے۔ بیعت ہونے کے دوسرے سال آپ حج بیت اللہ ادا کرنے چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز آپ نے مقامِ ابراہیم میں نماز ادا کی۔ شافعیہ مسلک کے امام حضرت حسین بن صالح نے، جو اُس وقت وہاں موجود تھے، آپ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کو اپنے گھر لے گئے۔ یاد رہے کہ حضرت موصوف کو پہلے سے آپ کا کوئی تعارف نہ تھا۔ حضرت موصوف نے دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑے رکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آپ کی پیشانی پر نوشتہِ تقدیر کو غور سے پڑھ رہے تھے۔ پھر آپ نے عربی زبان میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا: "اِنّی لاجِد نور اللہ فی ھٰذا الجبین"۔ ترجمہ: بیشک میں اِس پیشانی میں اللہ کا نُور پاتا ہوں۔ اس کے بعد اُنھوں نے سلسلہِ قادریہ میں آپ کو بیعت کرنے کی اجازت دی۔ نیز صحاح ستّہ کی بھی اجازت دی۔ اِس سند کی خاص بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک صرف گیارہ واسطے پڑتے

ہیں۔ مکہ معظمہ میں قیام کے دوران میں آپ مسجد خیف میں ایک رات ٹھہر گئے۔ آپ نے رات کا زیادہ حصہ اُسی جگہ ریاضت و عبادت میں گزار کر جب سوئے تو آپ کو مغفرت کی بشارت ملی۔ اس کے بعد آپ نے ریاضت و عبادت میں پہلے سے بھی زیادہ وقت دینا شروع کیا جو آخری دم تک جاری رہا۔

خلفا

خلافت ملنے اور کئی سلسلوں میں بیعت کی اجازت پانے کے بعد آپ نے عوام النّاس کو مستفید کرنا شروع کر دیا۔ آپ کے مریدوں کا شمار ناممکن ہے البتہ بعض مشہور و معروف خلفا کے نام درج کیے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ آپ کے خلفا میں پاک و ہند کے علاوہ حجازِ مقدّس و افریقہ کے علما و صلحا بھی شامل ہیں۔ آپ نے حسبِ استطاعت و مراتب بارہ سلسلوں میں بیعت فرمایا اور خلافت عطا کی۔ بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ مولانا سیّد محمد عبدالحی محدث بلادِ مغرب۔

۲۔ شیخ صالح کمال سابق مفتی حنفیہ۔

۳۔ سیّد اسماعیل مکیؒ، حافظِ کتب خانہ حرم شریف۔

۴- مولانا مصطفیٰ بن خلیل مکی۔

۵- سید ابو حسین محمد مرزوقی مکی۔

۶- شیخ اسعد دہان مکی۔

۷- شیخ محمد عابد حسین مکی- مفتیٔ مسلکِ مالکیہ۔

۸- مولانا حامد رضا خاں بریلوی۔

۹- مفتیٔ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں۔

۱۰- مولانا ظفر الدین قادری بہاری۔

۱۱- صدر الشریعت مولانا امجد علی۔

۱۲- صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی۔

۱۳- مولانا سید دیدار علی شاہ محدث لاہور۔

۱۴- مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی۔

۱۵- مولانا عبد السلام جبل پوری۔

۱۶- مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی۔

۱۷- مولانا برہان الحق جبل پوری

۱۸- مولانا سید فتح علی شاہ کھرڑ سیداں

۱۹- مولانا ابوالبرکات سیّد احمد قادری لاہور۔

۲۰- مولانا ابو محمد امام الدین کوٹلی لوہاراں۔

۲۱- حضرت مولانا شیخ ضیاء الدین احمد قادری مدظلہ العالی مہاجر مدنی وغیرہم۔ موخر الذکر بزرگ تقریباً ستر سال سے مدینہ منوّرہ میں مقیم ہیں اور ان کے مریدین و خلفاء عالم اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت باکرامت رکھے۔ آمین۔

درس و تدریس

دینی تعلیم مکمّل کرنے اور دستارِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد آپ نے اپنے والدِ ماجد کی تقلید میں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ دین سیکھانا اور دینی تعلیم دینا پیغمبروں کا شغل ہے۔ چنانچہ آپ نے اس عظیم شغل کو دل و جان سے اپنایا اور تادمِ آخر اسی پاکیزہ شغل میں مشغول رہے۔ اِس عظیم مقصد کو جاری رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ آپ کی اپنی نگرانی میں دینی مدرسہ قائم ہو۔ کیونکہ اُس دَور میں انگریزوں کی گرفت مضبوط تھی اور ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد دینی مدارس پر انگریزوں کی کڑی نگاہ تھی۔ پھر ایسے مدارس کی بہت کمی تھی جو اہلِ سُنّت کے

خالص عقائد کی ترجمانی کرتے ہوں۔

اس وقت انگریزوں کے سامنے میدان میں تین نامور شخصیتیں تھیں۔ یعنی علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا فضل رسول بدایونی اور حکیم مفتی ولی اللہ فرخ آبادی جو مردانہ وار اُن سے مقابلہ کر رہے تھے۔ انگریزوں کی سازشوں کے علاوہ اہلِ سُنّت کے خالص عقیدوں میں بھی نجدی عقائد کی ملاوٹ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کی جارہی تھی۔ اعلیٰحضرت نے اِن خطرات کو بروقت بھانپ کر ایک مدرسہ قائم کرلیا۔ اِس مدرسے کو ۱۹۰۴ء میں دارالعلوم منظرِ اسلام کا نام دیا گیا جس میں آج تک اِسی تاریخی نام سے خدمتِ دین کا کام جاری ہے۔

آپ اپنے شاگردوں سے بہت شفقت سے پیش آتے تھے اور اُن سے بے پناہ محبت اور اُلفت رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ برّصغیر کے گوشے سے طلبہ بریلی شریف پہنچ کر دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ برِّعظیم کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک سے بھی طلبہ نے یہاں آکر دین سیکھا اور دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ کی درس گاہ سے ہزاروں طلبہ فارغ التحصیل ہوئے جنہوں نے اہلِ سُنّت و جماعت کے خالص عقیدوں کو عام

کر کے برِّ عظیم میں بہت بڑی دینی خدمات سرانجام دیں۔

شاگرد

آپ کے بہت مشہور و معروف شاگردوں میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ مولانا نواب سلطان احمد خان۔ ۲۔ مولانا حسن رضا خاں، (برادرِ حقیقی اعلیٰحضرت) ۳۔ مولانا سیّد امیر احمد۔ ۴۔ مولانا یقینی ۵۔ مولانا حافظ سیّد عبد الکریم۔ ۶۔ مولانا محمد منوّر (چاٹگامی) ۷۔ مولانا الحاج سیّد نور احمد (چاٹگامی) ۸۔ مولانا واعظ الدین۔ ۹۔ مولانا سیّد عبد الرشید۔ ۱۰۔ مولانا سیّد شاہ غلام محمد۔ ۱۱۔ مولانا سیّد حکیم عزیز غوث۔ ۱۲۔ مولانا نواب مرزا۔ ۱۳۔ مولانا عبد الاحد۔ ۱۴۔ مولانا محمد اسماعیل۔ ۱۵۔ مولانا رحیم بخش قریشی۔ ۱۶۔ مولانا سیّد شاہ احمد اشرف۔ ۱۷۔ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی۔

تعلیمِ تصوّف

صوفیۂ کرام میں "فنافی اللہ" و "فنافی الرسول" دو اصطلاحیں بہت مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ ایک تیسری اصطلاح "فنافی الشیخ" بھی ہے۔ کسی ولیِ کامل کے حالاتِ تصوّف لکھتے وقت اِن تین اصطلاحوں کو پیشِ نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ آپ کو حضور نبیٔ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم

سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی جو اُن کے ہر قول و فعل سے عیاں ہے۔ آپ کا نعتیہ کلام عشقِ رسول کی واضح دلیل ہے۔

آپ اپنے پیر و مرشد کا بے حد احترام اور ادب کرتے تھے۔ اسی طرح وہ بھی آپ سے بہت محبت اور شفقت فرماتے۔ آپ تمام اولیائے کرام کا ادب و احترام کرتے تھے۔ مگر حضرت غوثِ اعظم شیخ سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کو والہانہ محبت تھی۔ آپ نے روحانی طور پر حضرت غوثِ اعظم سے بہت فیض حاصل کیا جس کا تذکرہ آپ کے کلام میں بھی موجود ہے۔ آپ نے حضرت غوثِ اعظم کی تعلیمات پر دل و جان سے عمل کیا۔ ادب کا یہ عالم تھا کہ آخر دم تک آپ بغداد شریف کی طرف پیر پھیلا کر نہیں بیٹھے۔

حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم منبعِ فیوض و برکات ہیں۔ اِس وجہ سے آپ مدینہ طیّبہ کی بہت زیادہ تعظیم بجالاتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر مدینے شریف کی طرف اپنی پُشت نہیں کی، اُس طرف اپنے پاؤں نہیں پھیلائے، تھُوکتے وقت بھی اِس بات کا خاص خیال رکھتے کہ بے ادبی نہ ہو جائے۔ آپ نے اپنے نعتیہ کلام میں سرورِ انبیاء صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم

کو کعبے کا کعبہ کہا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک غیر مقلد آپ کے پاس حاضر ہوا اور اجازت پاکر آپ سے سوال کیا کہ آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے بارے میں بعض تحریروں کے جواب میں بہت سختی کرتے ہیں۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ اس میں دو وجوہات ہیں، اوّل یہ کہ عصمتِ نبی کی حفاظت کرنا ایک اہم دینی فریضہ ہے۔ دوم یہ کہ تنقیدی ذہن رکھنے والے لوگ میرے آقا و مولا سے توجہ ہٹا کر میرے پیچھے پڑ جائیں اور مجھے وہ خوب گالیاں دے لیں جی بھر کر تکلیفیں پہنچا دیں۔ یہ میرے لیے ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ میں اُن کو کچھ نہ کہوں گا مگر جب یہ مدینے پاک کی طرف گستاخانہ نگاہیں اُٹھائیں گے تو احمد رضا، اُن کا اُس وقت تک پیچھا کرے گا جب تک وہ اپنی اِن نازیبا حرکات سے باز آجائیں یا توبہ نہ پڑھ لیں۔

آپ جب سوتے تو لفظ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شکل بنا کر سوتے اور یہ معمول آخر دم تک جاری رہا۔ اسی طرح آپ کعبہ شریف کی طرف پیٹھ نہ پھیرتے۔ مسجد سے باہر اُلٹے پاؤں سے نکلتے۔ بیٹھتے

وقت خیال رہتا کہ چہرہ کعبہ شریف کی طرف ہی مڑا رہے۔ اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے اور سوتے وقت بھی کعبہ شریف، مدینہ منوّرہ اور بغداد شریف کی اطراف کا ہر وقت خیال رکھنا کوئی معمولی کام نہیں ہے بلکہ احتیاط وہی شخص کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہو اور جس پر جناب رسالتمآب کی خصوصی نگاہ ہو۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر علماء و مشائخ اہلِ سُنّت کی متفقہ رائے ہے کہ آپ فنا فی الرسول کے درجے پر فائز تھے۔ اِس کا اعتراف آپ کے مخالفین نے بھی کیا ہے۔ اِس کے علاوہ آپ نے اپنی زندگی کو سُنّتِ رسول پر مکمل طور پر ڈھالا ہُوا تھا۔ بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ آپ نے جملہ مستحبّات کو سُنّت کا درجہ دے کر اُن پر پورے صدقِ دل سے عمل کیا ہے جو اہلِ سنت وجماعت کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

تصوّف کی دُنیا میں آپ نے اپنے مرشد کامل کی پوری پوری تقلید کی ہے۔ صوفیانہ حالات و کیفیات میں آپ نے تمام اولیاء کرام کی پیروی کی ہے۔ البتہ بعض باتوں میں آپ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

۱ - جو شخص اللہ سے ڈرے، اللہ اُس کے لیے نجات کا راستہ نکال دیتا ہے اور اُسے غیب سے روزی عطا کرتا ہے کہ جہاں اُس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

۲ - جو شخص شریعت کے خلاف عمل کرے - ننگا رہے یا سُکر (نشے) کی حالت میں رہے وہ ولی نہیں ہے اور اُسے سُکر کا عذر سمجھ کر ہرگز معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اِس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بھنگ چرس استعمال کرنے والے، ننگ دھڑنگ، مست ملنگ یا ڈھول باجے بجانے والوں کا اہلِ سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے - البتہ ایسے بے عمل لوگوں کا ابلیس سے گہرا تعلق ہے جس کے اشاروں پر یہ ناچتے پھرتے ہیں۔

۳ - مرتبہ غوثیت کے لیے 'علم لدنّی' کا جاننا ضروری ہے کیونکہ یہ ایسا علم ہے جو لکھنے پڑھنے میں تو نہیں آتا البتہ یہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔

۴ - بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے - اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اِن برگزیدہ بندوں کی کتنی قدر و منزلت ہے۔

۵۔ غوث ہر زمانے میں موجود ہوتا ہے۔

۶۔ غوث کو مراقبے سے حالات معلوم نہیں ہوتے بلکہ اُسے ہر حال میں شیشے کی مانند حالات سامنے رہتے ہیں۔

۷۔ ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں —— غوث کا لقب اللہ تعالےٰ کے ہاں عبد اللہ، دائیں وزیر کا عبد الربّ اور بائیں وزیر کا لقب عبد الملک ہوتا ہے۔ اِس سلطنت میں بائیں وزیر کا درجہ بڑا ہوتا ہے کیونکہ اس کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور دل انسان کی بائیں طرف ہے۔

۸۔ قیامت کے بارے میں آپ نے علاّمہ سیوطی اور علامہ قسطلانیؒ رحمہما اللہ کے افکار کا مطالعہ کرنے کے بعد پیش گوئی فرمائی ہے کہ قیاس یہ ہے کہ ۱۸۳۷ھ کے بعد دنیا میں اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا اور پھر اُس کے کچھ عرصے بعد قیامت برپا ہونے کا امکان ہے۔

۹۔ صوفی کے راستے میں جب تک وہ زندہ رہتا ہے تو شیطان اُس کے کانٹے بچھاتا رہتا ہے اور اُسے بہکانے کی انتہائی کوشش کرتا ہے۔

۱۰۔ بغیر علم کے شیطان صوفی کو کچے دھاگے کی لگام ڈال کر اسے اپنے فریب کے جال میں قید رکھتا ہے۔

۱۱۔ مرید جس طرح اپنے پیر و مرشد کا ادب حیات میں کرتا ہے، اُسی طرح اُسے اُس کی موت کے بعد بھی ادب و احترام کرنا چاہیئے۔ پیر کی قبر پر جائے تو چار ہاتھ کا فاصلہ رکھے۔ اُس طرف جا کر کھڑا ہو۔ جس طرف کہ قبر میں اس کے پیر کا چہرہ رکھا گیا ہے تاکہ صاحبِ قبر کو اِدھر اُدھر نہ مُڑنا پڑے۔

۱۲۔ عُرس کے بارے میں فرمایا کہ انتقال والے دن صاحبِ قبر کی توجہ زیادہ تر اپنی قبر کی طرف ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ وقت برکات حاصل کرنے کے لیے زیادہ موزوں ہوتا ہے۔

۱۳۔ اولیاء اللہ کی سچے دل سے عزّت و تعظیم کی جائے اور اُن کی تعلیمات پر پورا پورا عمل کیا جائے تو یہ عمل ایک دن خود ولی اللہ، بنا کر چھوڑتا ہے۔

آپ کی تصانیف اور عمل و کردار پر سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ مجدّدِ وقت، بے مثال عالمِ دین، لاثانی عاشقِ رسول

(صلی اللہ علیہ وسلم) ہی نہیں بلکہ کامل ولی اللہ بھی تھے۔

آپ نے مرشد کے لیے چار بنیادی باتوں کا ذکر کیا ہے:

۱- اُس کا سلسلۂ بیعت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو۔

۲- عقیدہ صحیح ہو۔ ۳- عالم ہو۔ ۴- فاسق اور معلن نہ ہو۔

فقہی مقام

آپ اپنے دَور کے عظیم فقیہہ تھے۔ اس کا اندازہ آپ کے وہ ہزارہا فتوے ہیں جو "فتاویٰ رضویہ" کے نام سے جہازی سائز کے بارہ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے بعض کتابچے صرف ایک مسئلہ پوچھنے پر لکھ ڈالے ہیں۔ مثلاً ڈاڑھی کی شرعی حیثیت، معراجِ جسمانی وغیرہ۔ کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا جاتا تو آپ اُس پر پہلے دَور کے تمام مستند علماء کی رائے لکھتے۔ پھر اپنی فہم و فراست سے اجتہادی نقطۂ نگاہ سے اُس پر دلائل پیش کر کے اپنی رائے دیتے اور اُس مسئلے پر بحث اس قدر لمبی ہوتی کہ اُس کا ہر پہلو بالکل واضح ہو جاتا۔

تیمّم کے بارے میں آپ نے تین سو گیارہ امور بیان کیے ہیں۔ ایک سو اکیاسی امور کی رُو سے تیمّم جائز ہے۔ اِن میں سے چوہتّر امور کی نشاندہی

پہلے زمانے کے فقہا نے کر دی ہوئی ہے۔ ایک سو سات امور ایسے ہیں جن پر آپ نے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر اپنے ذاتی اجتہاد سے بیان فرمایا ہے۔ اِس ایک ہی مثال سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ ہر مسئلے پر کس قدر تحقیق کیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ آپ صرف مُفتی ہی نہیں تھے کہ دن بھر میں چند فتوے دے دیئے بلکہ آپ درس و تدریس کا کام بھی سر انجام دیتے تھے، قرآن مجید کا ترجمہ بھی لکھواتے، عربی، فارسی اور اُردو میں مختلف موضوعات پر کتابیں املا کراتے، پیری و مریدی کا عظیم فریضہ بھی ادا کرتے، گھر کے کام، کاج میں حصّہ لیتے اور اہل و عیال کی نگرانی بھی فرماتے، وعظ و تقریر کرنے کے لیے دُور دُور تک تشریف لے جاتے، اور اِس قدر سخت مصروفیت کے باوجود آپ رات رات بھر یادِ الٰہی میں بھی مشغول رہتے تھے۔

شریعت میں فقیہہ کے لیے کچھ اصول و ضوابط مقرّر ہیں۔ فقہِ اسلامی کا منبع یہ ہیں: ۱۔ قرآن۔ ۲۔ حدیث۔ ۳۔ اجماع۔ ۴۔ قیاس۔ لہٰذا فقیہہ کے لیے ضروری ہے کہ اُسے قرآنِ حکیم، احادیثِ نبویّہ، اقوالِ صحابہ پر مکمل عبور حاصل ہو اور یہ تمام اُمور فتویٰ دیتے وقت اُس

کے سامنے رہیں اور حفظ بھی ہوں۔ اگر ان پانچوں شقوں میں مسئلے کا کوئی واضح حل نہ ملے تو وہ اپنے مذہب پر اپنے ہی امام کی تقلید میں اجتہاد کرے۔ آپ کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ تمام اوصاف سامنے آجاتے ہیں۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں وہ چار چار مسئلوں کے فتوے علیحدہ علیحدہ طور پر املا کراتے۔

مولوی محمد حسین میرٹھی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ بیمار پڑ گئے۔ میں آپ کی بیمار پرسی کو گیا تو دیکھتا ہوں کہ چار شخص آپ کے پاس بیٹھے ہیں۔ آپ بیماری کے باعث لیٹے ہوئے ہیں اور اسی حالت میں اُن چاروں کو فتوے املا کرا رہے ہیں۔ انداز یہ ہے کہ پہلے ایک جملہ ایک صاحب کو لکھنے کے لیے بولتے ہیں، پھر دوسرے کو، پھر تیسرے کو اور اسی طرح چوتھے کو۔ وہ لکھتے رہتے ہیں کہ پھر وہ پہلے شخص کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور اُس سے آگے لکھنے کو مزید ارشاد فرماتے ہیں۔ حوالہ جات بھی سب کو برابر لکھواتے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اُن کے پاس کوئی کتاب نہیں دیکھی اور جو کچھ وہ لکھواتے تھے وہ محض اپنے کمال حافظے سے۔ اس ایک ہی مثال سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپ کو فقہ میں

کتنا عبور اور کمال حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ برِ عظیم کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک کے علما نے بھی آپ کو فقیہہِ وقت، تسلیم کیا ہے اور آپ کے فتووں کی بہت تعریف کی ہے اور اقرار کیا ہے کہ آپ کا فتویٰ ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے۔

اقبال کی رائے

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں اپنی رائے کو یوں ظاہر کیا ہے: "ہندوستان کے دورِ آخر میں فاضل بریلوی جیسا طباع اور ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے اُن کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے کہ اُن کے فتوے اُن کی ذہانت، جودتِ طبع، کمال فقاہت علومِ دینیہ میں شاہدِ عادل ہیں۔ گویا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے دور کے امام ابوحنیفہ تھے۔"

پیاری پیاری باتیں

آپ کی پیاری پیاری مگر ایمان تازہ کرنے والی چند باتیں برکت کے طور پر اور فائدے کی غرض سے ذیل میں لکھی جاتی ہیں جو آپ نے اکثر احادیث نبویہ سے اخذ کی ہیں:

۱- اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کا نام حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی وجہ سے "محمد" یا "احمد" رکھے گا تو اللہ تعالیٰ باپ بیٹے دونوں کو بخش دے گا۔

۲- قیامت کے دن فرشتے اعلان کریں گے کہ جن کے نام "محمد" یا "احمد" ہوں وہ باہر نکل آئیں تاکہ اُن کو جنّت میں پہنچا دیا جائے۔

۳- ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ جس گھر میں "محمد" یا "احمد" نام کا کوئی شخص موجود ہو تو فرشتے اُس گھر کی زیارت کو آتے ہیں۔

۴- ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جس مشورے میں "محمد" یا "احمد" نام کا کوئی شخص موجود ہو تو اُس میں برکت ہوتی ہے۔

۵- ایک روایت یہ بھی ہے کہ تمہارا کیا نقصان ہے کہ تمہارے گھروں میں دو یا تین "محمد" نام کے آدمی ہوں۔

۶- آپ اس درود شریف "صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم" کی جگہ صرف (صؐ) یا صلعم کو، "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کی جگہ (رضؓ) کو، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جگہ (رحؒ) کو، علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جگہ (عؑ) کو لکھنا بُری بدعت سمجھتے تھے کہ اس طرح سے انبیا، صحابہ اور اولیا کی گستاخی

ہوتی ہے۔

۷۔ مسجد میں ہنسنا قبر میں اندھیرا لاتا ہے۔

۸۔ مرد اور عورت کے لیے تانبے یا لوہے کی انگوٹھی پہننا مکروہ ہے۔

۹۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ (احناف کے نزدیک) مرتب

۱۰۔ کعبہ شریف، روضۂ اقدس اور دُنیا بھر کی مسجدیں صحیح و سلامت جنّت میں منتقل ہوں گی۔

۱۱۔ جب حرمِ مدینہ نظر آئے تو بہتر یہ ہے کہ سواری سے اُتر کر پیدل چلنا شروع کرو۔ روتے، سر جُھکاتے، آنکھیں نیچے کیئے ہوئے اور ممکن ہو تو ننگے پاؤں چلو۔

۱۲۔ جب گنبدِ خضرا نظر آئے تو درود و سلام کی کثرت کرو۔

۱۳۔ روضۂ اقدس کی جالی کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے۔ کم از کم چار ہاتھ کا فاصلہ رکھ کر کھڑے ہو جاؤ۔

۱۴۔ روضۂ اقدس کا طواف کرو اور نہ سجدہ کرو اور نہ ہی اتنا جُھکو کہ رکوع کی حالت ہو جائے۔ اللہ کے برگزیدہ رسول کی بہترین تعظیم کرنا اُن

کی اطاعت میں شامل ہے۔

۱۵۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام اقدس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اُن کے ذاتی نام دو ہیں: "احمد" (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور "محمد" (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) اور اُن کے صفاتی نام بے شمار ہیں۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ سو جمع کیے ہیں۔ سیرتِ شامی میں تین سو اور اس میں شامل ہوئے اور میں نے اُن میں چھ سو نام اور شامل کیے ہیں۔ اب اس لحاظ سے یہ تعداد چودہ سو بنتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام ہر طبقہ میں مختلف ہیں اور ہر جنس میں جُداگانہ ہیں یعنی دریا میں اور نام ہیں، پہاڑوں میں اور نام ہیں کیونکہ ہر مقام پر آپ کی ایک خاص رحمت کی تجلّی ہے۔ جس جگہ جس صفت کا ظہور ہے اُس کے مناسب وہاں نام بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کافۃ للنّاس کے لیے نذیر و بشیر بنا کر بھیجا ہے۔ نیز آپ رحمۃٌ للعالمین بھی ہیں۔

۱۶۔ مرد کو چوٹی رکھنے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ حدیث میں

ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ایسے مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت رکھیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت رکھیں۔

۱۷۔ انگوٹھی پر اپنا نام لکھوانے اور اُسے پہن کر بیت الخلاء میں جانے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ نام اگر زیادہ معظّم نہ ہو جب بھی حرفوں کی تعظیم تو چاہیئے اور اگر متبرک نام ہو تو اُسے پہن کر جانا ناجائز ہے۔ ہاں جیب میں رکھ لے تو حرج نہیں۔

۱۸۔ صحابہ کرام کی کل تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ البتہ سات ہزار صحابہ کے نام معلوم اور محفوظ ہیں۔

۱۹۔ حضرت آدمؑ علیہ السلام کے بارے میں کہ وہ رسول بھی تھے، آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول بھی تھے۔

۲۰۔ حضرت نوحؑ علیہ السلام کے بارے میں کہ اُن کو اوّل رسولؑ کیوں کہا جاتا ہے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی رسول تھے تو آپ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو 'اوّل رسول' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پہلے رسول تھے جن کو کفّار کی ہدایت کے لیے

بھیجا گیا تھا۔ اُن سے پہلے جو بھی نبی یا رسول تشریف لائے وہ صرف مسلمانوں کی اصلاح کے لیے آئے تھے۔

۲۱۔ عربوں کے ساتھ محبت کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ جس نے اہلِ عرب (حجاز مقدس) سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اُن سے بغض کیا اُس نے مجھ سے بُغض کیا۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ اہلِ عرب سے تین باتوں میں محبت کرو کہ "میں عربی ہوں، قرآن مجید عربی میں ہے اور اہلِ جنّت کی زبان بھی عربی ہے۔"

۲۲۔ وہ کون کون لوگ ہیں جن کے بدن کو زمین نہیں کھاتی تو آپ نے فرمایا کہ حافظ شرط یہ ہے کہ وہ پُورے طور پر عمل بھی کرتا ہو، عالمِ دین، شہید، ولی اور جو شخص بہت زیادہ درود شریف پڑھا کرتا ہو اور وہ مؤذّن جو اُجرت لیے بغیر اذان دیا کرتا ہو۔ سیّد عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اُجرت لیے بغیر سات سال تک اللہ کی رضا کے لیے اذان دے تو اُس پر جنّت واجب ہو گئی۔

۲۳- اولیا اللہ کی پہچان کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آئے۔

۲۴- قرآنِ مجید میں غیب کی کنجیوں کے بارے میں دو لفظ آئے ہیں یعنی ''مفاتیح'' اور ''مقالید'' یہ اس مفہوم میں ہیں کہ غیب کی کنجیاں ''(مفاتیح - مقالید) کہ ان کو اللہ کے سوا کوئی (بذاتِ خود) نہیں جانتا۔ آپ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''مفاتیح'' کا پہلا حرف ''م'' اور آخری حرف ''ح'' ہے اور اسی طرح ''مقالید'' کا پہلا حرف ''م'' اور آخری حرف ''د'' ہے۔ ان چار حرفوں یعنی م ح م د کو جوڑ دیا جائے تو لفظِ محمد صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بن جاتا ہے۔ اس سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے غیب و شہادت کی کنجیاں عطا فرمائی ہوئی ہیں۔

بیمثال عالم

آپ بیمثال عالم تھے۔ آپ نے صرف چودہ سال کی عمر میں تمام دینی اور جدید علوم حاصل کر کے بہترین مثال قائم کی ہے۔ اس بات پر جب غور کیا جائے تو

اندازہ ہوتا ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا۔ ورنہ اتنی کم عمری میں اس قدر قدیم و جدید علوم کا حاصل کرنا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ آپ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ یہ ہی نہیں بلکہ اُس وقت سے لے کر آج تک بھی برِ عظیم پاک و ہند میں آپ جیسا کوئی عالم پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ آپ نے علم حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا اہم کام بھی جاری رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے کم و بیش ایک ہزار تک کتابیں اور رسالے لکھ ڈالے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اِن میں سے بہت سی کتابیں اب تک شائع نہیں ہو سکی ہیں۔ بعض کتابیں شائع ہوئیں مگر اب وہ بھی نایاب ہو چکی ہیں۔ اکثر کتابوں کے قلمی نسخے یا مسوّدے موجود ہیں جو اشاعت کے مقتضی ہیں۔ اِن کتابوں کی فہرست پر ہی ایک نگاہ ڈالنے سے اندازہ لگ جاتا ہے کہ واقعی آپ بہت بڑے عالم تھے۔ کتابوں کے نام بھی آپ نے ایسے رکھے ہیں کہ اُن سے کتاب کا پورا مفہوم پہلے ہی ذہن میں آنے لگتا ہے۔ اکثر کتابوں کے ناموں میں حروفِ ابجد کے لحاظ سے تاریخ تصنیف کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ یہ اور بھی

علمی کمال ہے یا پھر کوئی الہامی کیفیت ہے کہ کتاب کے نام سے اُس کا مقصد اور تاریخ فوراً سامنے آجائے۔ آپ نے کتابیں تین زبانوں یعنی عربی، فارسی اور اُردو میں لکھی ہیں۔ آپ کی اُردو تحریر بھی خاصی مشکل اور بے شمار الفاظ کا ذخیرہ ہے۔ عربی تحریر اتنی بامحاورہ اور جامع ہے کہ خالص اہلِ زبان بھی اسے دیکھ کر بہت تعریف کرتے ہیں۔ عرب شریف کے بڑے بڑے عالموں نے آپ کی بعض کتابیں دیکھیں تو بہت خوش ہوئے اور اُنھوں نے اپنی خوشی اور پسند کو اُن پر اپنے رائے لکھ کر ظاہر کیا۔ اور یہ رائے قائم کی کہ یہ شخص عجمی نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسی جامع، مدلّل اور بامحاورہ تحریر سے اہلِ عرب بھی حیران رہ گئے ہیں۔

علماءِ حجاز کی نظر میں

حجاز اُس پاک سرزمین کو کہتے ہیں جس میں کعبۃ اللہ اور روضہِ اقدس ہے۔ یہ وہ مبارک سرزمین ہے جس میں پیغمبروں کے سردار اور سرورِ دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوئے۔ اِسی جگہ اُن کو نبوّت ملی اور دینِ اسلام تمام روئے زمین تک پھیلتا چلا گیا۔ اِس سرزمین کے عالم دنیا بھر کے عالموں سے

فوقیت رکھتے ہیں۔ اگر اِس جگہ کے عالم دین کسی عجمی عالم کی تعریف کریں، عزّت اور توقیر سے پیش آئیں تو دُنیائے اسلام میں اُس کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ علماءِ حجاز نے صرف آپ کی علمی قابلیّت کی تعریف ہی نہیں کی بلکہ بعض علماء نے آپ کی شاگردی بھی اختیار کی اور اس میں بڑی سعادت پائی۔ آپ نے اُن کو پڑھایا بھی، بیعت کیا اور خلافت بھی عطا کی۔ اِن علماءِ کرام کو آپ سے بے پناہ محبت تھی اور وہ حد درجہ آپ کا احترام کیا کرتے تھے۔ دو بار آپ نے حج بیت اللہ کے لیے سفر کیا اور علماءِ حجاز سے دل کھول کر ملاقات کی۔ جو علماءِ حجاز وہاں پر آپ سے کسی وجہ سے ملاقات نہ کر سکے وہ بعد میں بریلی تشریف لائے اور یوں آپ سے ملاقات کر کے پھر واپس وطنِ مقدس کو گئے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ علماءِ حجاز آپ کو کتنی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔[1]

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں
از پروفیسر محمد مسعود احمد (ناشر)

پہلا سفرِ حج

آپ نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں کے ہمراہ ۲۳ سال کی عمر میں ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء کو حجِ بیت اللہ ادا کیا۔ کم عمری کے باوجود اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم، فضیلت، ذہانت، جذبہ ایمان، عشقِ رسول اور تقویٰ کی بدولت بہت جلد علماءِ حجاز سے آپ کا تعارف ہوگیا۔ مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ کے چند چوٹی کے علما نے آپ کو حدیث بیان کرنے کی سند بھی دی۔ آپ نے شیخ جمل اللیل کی مرضی اور اُن کے حکم کی تعمیل میں شافعی فقہ میں مناسکِ حج کے بارے میں ایک مشکل رسالے پر شرح لکھی جس کی وجہ سے اُس رسالے کا پڑھنا اور سمجھنا آسان ہوگیا۔ یہ رسالہ شیخ حسین بن صالح نے اپنے عالمانہ انداز میں لکھا تھا۔ یہ شرح آپ نے صرف دو دن میں لکھ کر مکمل کرلی۔ اس رسالے کی شرح کو جب علماءِ حجاز نے دیکھا تو اُسے بہت پسند کیا اور اُنھوں نے آپ کی بے حد تعریف کی۔

دوسرا سفرِ حج

آپ کا دوسرا سفرِ حج کا پروگرام بالکل اتفاقیہ طور پر بن گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ

اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد رضا اور بڑے بیٹے مولانا حامد رضا کے ساتھ بریلی سے لکھنؤ تک گئے۔ وہاں پر اُن دونوں کو سفرِ حج کے لیے الوداع کہہ کر واپس آ رہے تھے کہ راستے میں اُن پر بڑی عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ آپ کے دل میں حجازِ مقدّس کی ایک بار پھر زیارت کرنے کے لیے شوق و ذوق بڑھ گیا۔ اصل بات یہ تھی کہ اِس سفر میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہت اہم کام سرانجام دلانے تھے۔ جن کی وجہ سے آپ نے اچانک ہی حج بیت اللہ کے لیے سفر کا پُختہ ارادہ کر لیا۔ گھر پہنچے اور اپنی والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر اس عظیم سفر کو اختیار کر لیا۔ اتفاق سے آپ کا بھائی اور فرزند ابھی بمبئی پہنچے تھے کہ آپ بھی اُن سے جا ملے۔

آپ کا یہ سفر پہلے سفر کی نسبت بہت زیادہ اہم تھا۔ اُس وقت آپ کی عمر بھی کم تھی اور اب آپ قریباً ۵۰ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اِس دوران میں آپ نے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، فتویٰ نویسی، ریاضت و عبادت، مناظرہ و وعظ غرض ہر لحاظ سے کمال حاصل کر لیا ہوا تھا۔ اب آپ ایک پختہ کار اور باعمل عالم تھے۔

اگرچہ آپ بچپن سے ہی شریعت کی سختی سے پابندی کرتے چلے آئے تھے تاہم عمر کے ساتھ ساتھ تجربات میں بہرحال اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ اس سفر میں آپ نے کئی علمائے حجاز کو بیعت کیا، خلافت عطا کی اور سندیں بھی دیں۔ مکہ مکرّمہ سے ہو کر جب آپ مدینہ طیبہّ میں پہنچے تو وہاں بھی کئی عقیدت مند آپ کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ چنانچہ مدینہ طیبہّ میں پہنچنے کے بعد آپ نے کچھ علمائے کرام کو زبانی اور کچھ کو تحریری طور پر سندیں عطا کیں۔ بعض کو سفر حج سے واپس آکر اور بریلی شریف سے ہو کر اجازت لکھ بھیجی۔

شیخ محمد عبدالحق مہاجر مکی نے آپ کے مدینے پاک کے سفر کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا ہے: "مدینے میں میں کئی سال سے رہتا ہوں۔ ہندوستان سے ہزاروں عالم آتے ہیں۔ ان میں سے علما، نیک اور تقویٰ والے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ مدینے کی گلیوں میں وہ گھومتے پھرتے ہیں مگر اُن کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن آپ (اعلیٰحضرت) کے پاس یہاں کے بڑے بڑے عالم آتے ہیں۔ آپ کی حد درجہ عزّت کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص

فضل وکرم ہے جس کو وہ چاہتا ہے دیتا ہے۔"

بریلی شریف پہنچنے کے بعد بعض علمارِ حجاز کو اجازت بھیجنے میں قدرے دیر ہو گئی تو اُن میں سے سید اسماعیل خلیل نے آپ کو خط لکھ کر یاد کرایا کہ "آپ نے مجھے اور میرے بھائی کو روایت کی اجازت دینے کا وعدہ فرمایا تھا مگر اب تک اجازت نہ مل سکی۔ جو آپ کے بہت قریب تھا وہ اب دُور ہو گیا۔ آپ نے ہمیں بھلا ہی دیا ہے۔"

اِس سفرِ مبارک میں آپ نے ایک اور شاندار کارنامہ انجام دیا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ہندوستان کے چند علما حج بیت اللہ ادا کرنے گئے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ آپ تن تنہا سفر کو گئے ہوئے ہیں اور آپ کا کتابوں کا ذخیرہ تو بریلی شریف میں ہی رہ گیا ہے۔ اُنھوں نے اِس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے شریفِ مکہ سے ملاقات کی۔ اُسے بتایا کہ ہندوستان سے ایک عالم (احمد رضا خاں) آیا ہوا ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب (ذاتی وغیرہ) پر یقین رکھتا ہے۔ آپ اُسے یہاں طلب کریں تاکہ اُس کے ساتھ مناظرہ کیا جائے۔ اُن کا منصوبہ یہ تھا کہ آپ کتابوں کے

بغیر یہاں پر مناظرہ نہ کر سکیں گے آپ ہار جائیں گے تو شریفِ مکّہ کے سامنے بھی اِس کی رسوائی ہوگی اور ہندوستان واپس چل کر ہم اِن کے خلاف خُوب پروپیگنڈہ کر کے اِن کی علمی ساکھ کو ختم کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ نیز شریفِ مکّہ کو کہہ کر اِن پر پابندی عائد کرا دیں گے تاکہ وہ آئندہ حجازِ مقدّس کی طرف سفر ہی نہ کر سکیں۔ کیونکہ ان کی تعلیمات کا اثر اب ہندوستان سے نکل کر عرب شریف اور افریقہ تک پہنچ گیا ہے جو ہمارے لیے برداشت سے باہر ہے۔

آپ کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو اِس کے جواب میں تو آپ نے اپنے حافظے اور غیبی امداد سے صرف آٹھ گھنٹے کے مختصر عرصے میں علمِ غیب کے موضوع پر ایک مستقل کتاب "الدّولۃ المکیّۃ بالمادّۃ الغیبیّۃ" لکھ ڈالی۔ کتابیں پاس موجود نہ ہونے کے باوجود جگہ جگہ حوالہ جات دے کر اپنے جواب کو ٹھوس اور جامع بنا لیا کہ مخالفین حیران رہ گئے۔ اُن کا منصوبہ مٹی میں مل گیا۔ وہ بہت شرمندہ ہوئے اور شریفِ مکّہ کے سامنے بھی منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ شریفِ مکّہ نے شیخ صالح کمال (سابق مفتیِ مکّہ)

کو حکم دیا کہ وہ یہ کتاب اُسے حرف بہ حرف پڑھ کر سنائے۔ چنانچہ اُس کے حکم کی تعمیل میں یہ کتاب اُس کے سامنے اور کئی دوسرے علماءِ کرام کی موجودگی میں پڑھ کر سنائی گئی۔ تب جاکر شریفِ مکہ پر یہ ظاہر ہوا کہ آپ واقعی حق پر اور مخالفین غلطی پر تھے۔ شریفِ مکہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا اور فرمایا کہ تمام صحیح عقیدے کے علما بھی وہی بات کہتے ہیں جو احمد رضا خاں کہتے ہیں۔ شریفِ مکہ کی اِس مجلس میں بڑی تعداد میں علما موجود تھے۔ اُن میں سے بعض زیادہ مشہور و معروف علما کی اِس کتاب کے بارے میں رائے مختصراً ذیل میں درج کی جاتی ہے:

مسجدِ حرام کے امام شیخ ابوالخیر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ احمد رضا خاں اپنے وقت کے تمام مؤلفوں کے سردار ہیں۔ بہت ذہین، اونچی ہمّت والے اور بہت بڑے عالم ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ عبداللہ بن سراج حنفی، شیخ یوسف بن اسماعیل (بیروت) شیخ عبداللہ بن حمید حنبلی (مکّہ مکرّمہ) محمد سعید بن محمد بابصیل شافعی (مکّہ مکرّمہ) شیخ احمد الجزائری بن سیّد احمد المدنی، مالکی (مکّہ مکرّمہ) سیّد حسن بن سیّد

عبد القادر طرابلسی، شیخ سیّد احمد علوی بن سیّد احمد مالکی (مدینہ منوّرہ) شیخ عبد الرحمٰن حنفی (جامعہ ازہر) شیخ عبد الرحمٰن نابلسی (مدینہ منوّرہ) نے علیحدہ علیحدہ طور پر آپ کے بارے میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ مجدّد، بہت بڑے عالمِ باعمل، اپنے وقت کے امام، تمام علوم کے جاننے والے، فیوض و برکات کا ذریعہ، اسلام کے بہت بڑے مبلّغ، رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے سچے عاشق ہیں۔ اِن بزرگوں کے علاوہ قریباً ساٹھ دوسرے علماءِ کرام نے بھی آپ کی بیحد تعریف کی ہے۔ ان سب کا تعلق بھی عرب شریف کی سرزمین سے ہی ہے۔

آپ کے انتقال فرمانے کے بعد سے آج تک عرب میں بیشمار عالم اب بھی ایسے موجود ہیں جو آپ کی تعلیمات، کتابوں اور دینی خدمات سے واقف ہیں اور بہت تعریف کرتے ہیں۔ مولانا غلام مصطفیٰ خاں (راجشاہی) ۱۹۵۹ء کو حجازِ مقدس تشریف لے گئے۔ مدینہ منوّرہ میں قیام کے دوران میں آپ نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ شیخ مفتی سعد اللہ مکّی سے ملاقات کی۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ حرمین شریفین میں لوگ

جتنے مولانا احمد رضا خاں سے واقف ہیں اور اُن کی دینی خدمات کی
تعریف کرتے ہیں، ہندوستان کے کسی اور عالم سے اُتنے واقف نہیں
ہیں۔ مفتی سعد اللہ مکیؒ کے کہنے پر مولانا غلام مصطفیٰ خاں مکہ مکرمہ کے
قاضی القضاۃ شیخ سید محمد علوی مالکی کے پاس گئے۔ اُن سے صرف اتنا
ذکر کیا کہ ہم مولانا احمد رضا خاں کے شاگردوں کے شاگرد ہیں تو قاضی القضاۃ
موصوف اُٹھے اور اُن کی بے حد عزّت کی، گرمجوشی کے ساتھ معانقہ کیا
اور پھر فرمایا کہ ہم لوگ اعلیٰحضرت کو اُن کی تصانیف کی بدولت پہچانتے
ہیں۔ بلاشبہ اعلیٰحضرت نے دین کی ایسی خدمت کی ہے جیسا کہ حق ہوتا
ہے۔ پھر دیر تک وہ آپ کا ذکرِ خیر کرتے رہے۔

دوسرے روز مولانا غلام مصطفیٰ خاں شیخ محمد مغربی الجزائری سے
ملے۔ شیخ موصوف نے آپ کی بہت تعریف کی اور کہا کہ اعلیٰحضرت
ہمارے دوستوں میں سے ہیں۔ وہ علم و فضل میں کمال درجہ رکھتے تھے
پھر ایک روز مولانا مذکور نے ایک اور عالم شیخ عبد الرحمٰن سے ملاقات
کی۔ اُن کی عمر اُس وقت ۸۰ سال کی تھی۔ اُن کا مکان حرم شریف کے ساتھ
ملا ہُوا تھا۔ اُن کے پاس اعلیٰحضرت کے کچھ دیئے ہوئے تبرکات بھی موجود

تھے۔ اُنھوں نے بتایا کہ ہمارے علما جب آپ سے ملاقات کیا کرتے تو اُن کے ہاتھ چومتے اور بہت عزّت کرتے کہ اتنی عزّت و تعظیم ہم نے کسی اور ہندوستان کے عالم کی کرتے ہوئے نہیں دیکھے۔ ان دو تین واقعات سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ علماءِ حجاز اب بھی آپ کی بے پناہ عزّت کرتے ہیں اور آپ کی دینی خدمات کی تعریف کرتے ہیں۔

علماءِ برِّعظیم کی نظر میں

برِّعظیم اُس خطّے کو کہتے ہیں جس میں آج کل پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کی حکومتیں ہیں۔ موجودہ زمانے کے بعض چوٹی کے علما و مشائخ نے آپ کے بارے میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

مولانا اشرف علی تھانوی کہتے ہیں "میرے دل میں احمد رضا کے لیے بیحد احترام ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشقِ رسول کی بنا پر کہتا ہے۔ کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا۔"

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کہتے ہیں "مولانا احمد رضا خاں صاحب

کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ فی الواقع وہ دینی علوم پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے اور اُن کی فضیلت کا اعتراف اُن لوگوں کو بھی ہے جو اُن سے اختلاف رکھتے ہیں۔"

علامہ علاء الدین صدیقی سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی و سابق چیئرمین آف اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان، کہتے ہیں "جب دین کی قدروں کو گرایا جارہا تھا اُس وقت مولانا شاہ احمد رضا قادری آگے بڑھے اور انھوں نے دین کی قدروں کو صحیح مقام ثبات بخشا اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ امام اہلِ سنّت تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو فاضل بریلوی کی زندگی کو مشعلِ راہ بنانا چاہیے۔"

افتخار اعظمی کہتے ہیں "احمد رضا خاں دینی عالم کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ چونکہ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُن کو بے پناہ محبّت اور عقیدت تھی۔ اِس سے اُن کا نعتیہ کلام شدّتِ احساس کے ساتھ ساتھ خلوصِ جذبات کا آئینہ دار ہے۔

مفتی انتظام اللہ شہابی کہتے ہیں "حضرت مولانا احمد رضا خاں مرحوم اِس عہد کے چوٹی کے عالم تھے۔ مولانا کی دینی معلومات پر گہری نظر تھی

ڈاکٹر سیّد عبد اللہ کہتے ہیں "وہ جیّد عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہہ، صاحب نظر، مفسّر قرآن، عظیم محدّث، سحر بیان خطیب تھے۔ لیکن ان تمام درجاتِ رفیع سے بھی بلند اُن کا درجہ ہے اور وہ ہے عاشقِ رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا"۔

ڈاکٹر سیّد عابد علی احمد مرحوم سابق پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی کہتے ہیں "سیّدنا امام احمد رضا رضی اللہ المولیٰ تعالیٰ عنہ عظیم البرکت امام اہلِ سُنّت، مجدّدِ دین وملّت، فاضلِ اجل، عالمِ بے بدل شاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات ہندوستان و پاکستان اور عرب وعجم میں محتاجِ تعارف نہیں۔ ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ فقہ و حدیث، فلسفہ و منطق، ادب و تاریخ، تفسیر، بیان و بدیع، جملہ فنونِ ریاضیہ، فنّ شعر و عروض غرض یہ کہ کون سا علم ہے جس میں آپ کو مہارت تامّہ حاصل نہیں۔ زبردست خطیب، مقرر، صاحبِ کثیر التصانیف، مصنّف، بلند پایہ محقّق، عربی و فارسی زبان و ادب کے زبردست سکالر، اُردو کے بہت بڑے محسن غرض یہ کہ ہندوستان میں ایسی باکمال

ہستیاں بہت کم ہوئی ہوں گی۔ ہندی مسلمان اس مایۂ ناز ہستی پر جتنا بھی فخر کریں درست ہے۔"

ڈاکٹر نسیم قریشی ریڈر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کہتے ہیں۔ "مولانا احمد رضا خاں مرحوم و مغفور علوم دینیہ کے جامع تھے اور نعت گوئی میں کوئی اُن کا ثانی نہیں ہے۔ اور وہ عاشقِ رسول صلیّ اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تھے۔"

حضرت علاّمہ ابو البرکات سیّد احمد قادری کہتے ہیں "سیّدی و مولائی اعلیحضرت مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرّہ العزیز اپنے دور کے جلیل القدر عالمِ دین اور شیخ طریقت تھے۔ اگرچہ وہ جملہ علوم معقول و منقول میں امامت کے درجہ پہ فائز تھے۔ مگر فقہ اُن کا خاص موضوع تھا اور خاص بات یہ ہے کہ عشقِ رسولِ کریم صلیّ اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اُن کا قیمتی اور قابلِ قدر سرمایہ تھا۔"

مفتی اعجاز ولی خاں رضوی مرحوم کہتے ہیں۔ "امام اہلِ سُنّت اعلیحضرت مولانا الشاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قادری قدس سرّہ العزیز میرے نزدیک اس صدی کے فقیہہِ اعظم تھے۔ آپ متداول علوم عربیہ ادبیہ

میں ماہرِ کامل، فنونِ عقلیہ و نقلیہ میں ایجاد و اجتہاد پر فائز تھے"

صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی مرحوم کہتے ہیں "علم فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اُس کو عرب و عجم، مشارق و مغارب کے علمانے گردنیں جھکا کر تسلیم کر لیا۔ "اعلیٰحضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں اُن کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھی"

جسٹس شمیم حسین قادری کہتے ہیں "فاضلِ بریلوی عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ اور یہی عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مسلک عام کرنے کی ضرورت ہے کہ سرورِ کائنات کی محبت نہ صرف دُنیا میں ہماری مشکلات کا حل ہے بلکہ اگلی دُنیا میں بھی نجات کا باعث ہے"

پروفیسر محمد ایوب قادری کہتے ہیں "علامہ فاضل موصوف احمد رضا خاں بریلوی چودھویں صدی ہجری کے نامور عالم اور مصنف تھے۔ اُن کی تمام تر زندگی تصنیف و تالیف اور علومِ اسلامیہ کی خدمت میں گزُری۔ فاضل بریلوی نے حنفیت کی بڑے زور و شور سے تبلیغ و اشاعت کی ہے"

مولانا معین الدین ندوی کہتے ہیں "مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرّہ العزیز اس دور کے صاحبِ علم و نظر علماء مصنّفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر اُن کی نظر وسیع و گہری تھی۔ اُن کے عالمانہ محققانہ فتاوے مخالف اور موافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں"

سیّد انور علی صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ پاکستان، کہتے ہیں۔ "مولانا احمد رضا خاں بریلوی دنیائے اسلام کے زبردست عالم اور شیخ طریقت تھے۔ امام اہلِ سنّت کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں"

شیخ المشائخ حضرت دیوان سیّد شاہ زین العابدین علی خاں سجادہ نشین درگاہ خواجہ غریب نواز اجمیر شریف کہتے ہیں "بیشک حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ ستودہ صفات کا شمار چودھویں صدی ہجری کے عالم اسلام کے اکابر علماء و مبلّغین میں ہوتا ہے"

حضرت خواجہ سیّد پیر ضامن نظامی سیّد بخاری سجادہ نشین درگاہ حضرت نظام الدین اولیا کہتے ہیں "مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی

ہندوستان کی برگزیدہ شخصیّت تھے ۔ اُن کی ذات مجمع الصفات تھی۔
مختلف علوم کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک مجاہد بھی تھے۔
شاعر بے بدل ، بلند پایہ ادیب ، مفسّر قرآن اور محدّثِ اعظم تھے۔
وہ جنگِ آزادی کے مجاہد تھے اور شیخِ طریقت بھی تھے۔ اُن کی
عالمانہ شخصیّت اور بیمثال خدمات کا اعتراف ہندوستان کی اعلیٰ
شخصیّتوں نے کیا ہے“

صاحبزادہ حضرت سیّد شاہ انوار اللہ حسینی افتخاری چشتی قادری
حیدر آباد (بھارت) کہتے ہیں ”مجدّد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا فاضل
بریلوی رضی اللہ تعالیٰ المولیٰ عنہ کی ذاتِ بابرکات کا چند جملوں میں
احاطہ کرنا قطعی ناممکن ہے۔ مجدّدِ دین وملّت امام احمد رضا خاں کی
جامع الصفّات شخصیّت سطحی نظر سے مطالعہ کی حامل نہیں۔ مجدّد دین و
ملّت کا احاطہ کرکے قلم اُٹھانے کی جراُت وہی شخص کر سکے گا جو قد آور
نگاہ کا مالک ہو کر اُن پچاس سے زیادہ علوم وفنون کا ماہر ہو جن علوم و
فنون پر مجدّد دین وملّت نے اپنی پوری زندگی کی ذہنی ریاضت صرف
کی ہے۔

سیّد محمد جیلانی محامد مدیر ماہ نامہ "المیزان" بمبئی کہتے ہیں۔ "آج دُنیا کو امام احمد رضا کی ضرورت ہے۔ بعض لوگ مخالفت کی وجہ سے یہ الزام لگاتے ہیں کہ احمد رضا مسلمانوں کو کافر کہنے میں بے باک تھے حالانکہ آپ خود فرماتے ہیں کہ "اگر کافر جان کر کہا تو کافر ہوگیا"۔ اِس سے ثابت ہوا کہ آپ پر یہ الزام غلط ہے۔ نیز امام اہلِ سُنّت موجودہ دَور کا ایک مظلوم مفکّر ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ آپ کی تصانیف کی روشنی میں آپ کو پہچاننے کی کوشش کی جائے اور آپ کے نقشِ قدم پر چل کر صراطِ مستقیم معلوم کیا جائے"۔

عشقِ رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم

قرآنِ مجید میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اگر تم مجھ سے محبت کرنا چاہو تو میرے حبیبِ پاک سے محبّت کرو"۔ حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ماں باپ، بیٹے بیٹیوں اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبّت نہ کرے"۔ اِس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے محبّت کی جائے اور پکّا مسلمان بننے کا معیار یہ ہے کہ اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ رسول اللہ سے محبت کی جائے۔ گویا حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنا اصلِ ایمان ہے۔ یہ تو عام لوگوں کے لیے رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے محبّت کرنے کا معیار بیان ہوا ہے مگر خاص لوگوں کے لیے اس سے بھی زیادہ نازک پابندیاں عائد ہیں اور جو خوش قسمت لوگ عشقِ رسول میں سرشار ہیں وہ بلا شُبہ اپنی منزل کو پا گئے ہیں اور دونوں جہانوں کی کامیابیاں حاصل کر گئے ہیں۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت کو حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق اور محبت تھی۔ وہ آپ کے عشق میں مستغرق۔ صوفیہ میں جو "فنا فی رسول" کی اصطلاح ہے وہ آپ پر بالکل صادق آتی ہے۔ آپ واقعی حبیب خدا سے بیحد محبّت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ آپ کو عاشقِ رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

آپ کی زندگی کا اصل مقصد عشقِ رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہی ہے۔ اس پر آپ کا کلام اور عمل و کردار شاہدِ عادل ہے۔ زندگی

پھر آپ نے سُنّتِ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بڑی سختی اور پوری توجہ کے ساتھ پیروی کی۔ حتّیٰ کہ مستحبات کو بھی آپ نے کبھی نہیں چھوڑا۔ آپ کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا۔ کھانا پینا وغیرہ سُنّت کے عین مطابق ہوتا۔ غرض یہ کہ تمام معاملات میں آپ نے ذرّہ برابر بھی سُنّتِ رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔

آپ کو حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو بے پناہ محبّت تھی، آپ کو اس کا بہت اچھا صلہ اور انعام ملا ہے۔ خواب میں آپ کو کئی بار حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا دیدار نصیب ہوا مگر آپ کی دلی تمنّا یہ تھی کہ بیداری کی حالت میں اور اِن ظاہری آنکھوں سے آپ کو دیدار ہو جائے۔ اِس خواہش کے پیشِ نظر آپ نے بارہا رو رو کر دعائیں مانگیں، وظیفے کیے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اِس نعمت کے ملنے میں ابھی کچھ اور انتظار کرنی پڑے گی۔ چنانچہ دوسری بار یعنی ۱۳۲۳ھ کو جب آپ حج و زیارت کے لیے گئے تو آپ نے روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر والہانہ انداز میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا۔ اپنے دل کی تمنّا بھی عرض کی اور اُسی جگہ ہاتھ باندھ کر کھڑے

رہے۔ سوال بہت بڑا تھا مگر سوال کرنے والا بھی ہندوستان کے علما کا سردار تھا، تصوّف کی دُنیا کا شہسوار تھا اور عشق و مستی کا تاجدار تھا۔ اُدھر دربار بھی بڑا دربار تھا جہاں سے کسی بھی سائل کا سوال کبھی ٹھکرایا ہی نہیں گیا ہے اور مانگنے والا نہیں سُنتا ہی نہیں ہے۔ اِسی قسم کے جذبات کا تلاطم دل میں لے کر آپ جالیوں کے سامنے ہی کھڑے رہے کہ آپ کی قسمت چمک اُٹھی۔ آپ کے دل کی مراد پوری ہو گئی اور آپ نے ان ظاہری آنکھوں سے حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا دیدار کیا۔ سبحان اللہ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ کتنا بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اتنا بڑا فضل و کرم ہے کہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ البتہ نیّت خالص ہو، عشق سچا ہو گستاخانہ ذہن نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ ہی جاتی ہے

بیداری کی حالت میں اور ظاہری آنکھوں سے حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار بیشمار خوش نصیب حضرات کو حاصل ہوا ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب: "میزان الشعرانی" میں لکھتے ہیں کہ علاّمہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اے بھائی! میں رسولِ خدا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ساتھ اب تک بیداری

کی حالت میں بالمشافہ پچھتر ۷۵ بار دیدار کرچکا ہوں۔"

علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں محمد بن زین ثنا گوئی کہتے ہیں کہ وہ جاگنے کی حالت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالمشافہ دیکھ لیتے تھے۔ اور جب حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ میں مزارِ پاک پر جاکر حاضر ہوتے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبرِ انور کے اندر سے بھی اُن سے کلام کرتے تھے۔

ایک اور بزرگ شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی "میزان الشعرانی" میں درج ہے کہ "اور ہم کو شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے شاگرد شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے یہ نقل پہنچی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نظر آنا ہم سے ایک لحظہ کو بھی بند ہو جائے تو ہم اپنے آپ کو زمرہِ مسلمین میں شمار نہ کریں۔"

ان تینوں واقعات سے یہ بالکل ثابت ہو جاتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے سچے عاشقوں کو ظاہری آنکھوں سے اور بیداری کی حالت میں بھی اپنا دیدار کراتے ہیں۔ اس سے یہ بھی

ثابت ہوتا ہے کہ اعلحضرت بیمثال عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ کامل ولی اللہ بھی تھے۔ جب ہی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان ظاہری آنکھوں سے اور بیداری کی حالت میں دیدار کی سعادت حاصل کر سکے ہیں۔

تقویٰ

آپ کے بچپن کے حالات بھی بہت اہم ہیں۔ حالانکہ یہ زندگی نادان ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی پریشانی یا فکرمندی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اگر بچپن میں ہی پیدا ہو جائے تو اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ایسا شخص پیدائشی ولی ہی ہو سکتا ہے جب ہی تو وہ تقویٰ کے راستے پر گامزن ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کی عمر صرف ساڑھے تین برس تھی۔ آپ نے جسم پر ایک ہی لمبا کرتا پہنا ہوا تھا۔ آپ کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور جب واپس گھر آرہے تھے کہ سامنے سے چند بازاری عورتوں کا گزر ہوا۔ آپ نے اُن پر نظر پڑتے ہی اپنے کرتے سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور آنکھیں چھپا لیں۔ اُن عورتوں نے یہ ماجرا دیکھا اور چھوٹا لڑکا سمجھ کر مزاح کے طور پر ہنستے ہوئے کہا کہ واہ میاں صاحبزادے!

نظر تو چھپالی ہے مگر ستر کھول دیا ہے۔ آپ نے اُن کی یہ طنز یہ بات سُنتے ہی فوراً جواب دیا کہ پہلے نظر ہی بھکتی ہے پھر دل بھکتا ہے۔ اور جب دل بھکتا ہے تو ستر بھی بھک جاتا ہے۔ ستر بھک جائے تو اُس سے ساری خرابی آتی ہے۔ اِس معصوم اور چھوٹی عمر کے لڑکے سے اِس قسم کی سمجھداری کی باتیں سُننے کے بعد وہ عورتیں خاموش رہ گئیں۔ اور پھر دوبارہ کچھ کہنے کی جرأت ہی نہ کر سکیں۔

آپ باجماعت نماز ادا کرنے کی سخت پابندی کرتے تھے۔ سر پر ہمیشہ عمامہ باندھ کر نماز ادا کرتے۔ کیونکہ حدیث پاک میں عمامہ باندھ کر نماز ادا کرنے کی بہت فضیلت آئی ہے۔ نماز کے دیگر مسائل میں بھی بہت زیادہ احتیاط کرتے اور زندگی بھر آپ کا یہی طریق کار رہا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک کوری ہانڈی بھی ساتھ لایا۔ ہانڈی میں بدایونی پیڑے تھے۔ اُس نے پیڑوں کی ہانڈی آپ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ نے قبول فرما لیا اور پوچھا کہ آپ کو کوئی کام ہے۔ تو اُس شخص نے جواب دیا کہ یوں ہی

سلام کرنے حاضر ہو گیا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے آپ سے تعویذ مانگے۔ آپ نے اپنے بھانجے علی احمد خاں سے تعویذ منگوائے اور اُسے دے دیئے اور ساتھ ہی وہ پیڑوں والی ہانڈی بھی گھر سے منگوا کر اُس کے حوالے کر دی۔ اُس نے بہت منّت سماجت کی کہ یہ تحفہ قبول فرماتے ہوئے اپنے پاس رکھ لیجئے مگر آپ نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں تعویذ فروخت نہیں ہوتا ہے۔

ایک دفعہ آپ کو مٹی کے تیل کی ضرورت پڑی۔ آپ نے جہانگیر خاں رضوی تیل فروش کو کہا کہ ایک پیپا مٹی کا تیل لا دو۔ چنانچہ وہ مٹی کا تیل لے آیا۔ آپ نے قیمت پوچھی تو اُس نے جواب دیا کہ ویسے اِس کی قیمت یہ ہے مگر آپ میرے بزرگ ہیں لہٰذا آپ صرف اتنی رقم دے دیں۔ اِس بات سے آپ قدرے ناراض ہوئے اور اُسے وہی قیمت لینے پر مجبور کیا جو وہ عام لوگوں سے لیا کرتا تھا۔

رمضان کا مہینہ تھا۔ روزہ افطار کیے دو گھنٹے گزر گئے کہ ایک بچہ آپ کے لیے پان لے کر آیا۔ اس قدر دیر کرنے کی وجہ سے آپ نے اُس بچے کو معمولی سا تھپڑ مار دیا۔ واقعہ تو گزر گیا مگر آپ نے بعد میں سوچا

کہ آپ سے غلطی ہوگئی ہے کہ ایک معصوم بچّے کو تھپڑ مار دیا ہے۔ آپ نے رات تو جوں توں گزاری۔ سحری کے وقت اُس بچّے کو بلایا اور کہا کہ شام کو میں نے تمہیں ہلکا سا تھپڑ مار دیا تھا۔ اُس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ اب میری غلطی کا بدلہ یوں ہو سکتا ہے کہ تم بھی ویسے ہی میرے سر پر ایک تھپڑ مارو۔ یہ کہتے ہی آپ نے اپنے سر پر سے ٹوپی اتار دی اور لڑکے کو مجبور کرنے لگے کہ وہ آپ کے سر پر تھپڑ مار کر ہی دم لے۔ گھر میں موجود سب لوگ یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ لڑکا بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ حضور میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے۔ اب مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر آپ نے اُسے نہ چھوڑا اور خود ہی اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر کئی تھپڑ مارے اور پھر اُسے چھوڑا۔ اب آپ کے چہرے پر اطمینان کے نشانات نظر آنے لگے ورنہ اُس سے پہلے وہ اِس واقع کی وجہ سے بہت پریشان لگتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کہیں باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ ریل گاڑی کے پہنچنے میں کچھ دیر تھی۔ سٹیشن پر کمرۂ انتظار میں سے آپ کے لیے ایک کرسی لائی گئی۔ آپ نے دیکھتے ہی کہا کہ اِس کرسی سے تکبّر کی

بُو آتی ہے۔ بیٹھنے کے لیے کوئی اور موزوں جگہ بھی نہ تھی۔ چنانچہ آپ نہایت نفرت کی حالت میں کرسی پر بیٹھے مگر اُس کے تکیے سے اپنی پُشت نہیں لگائی۔

ایک دفعہ آپ پیلی بھیت شریف میں سجادہ نشین صاحب سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اتفاق سے جب آپ وہاں پہنچے تو پیر صاحب عورتوں کو پردہ کیے بغیر ہی بیعت کر رہے تھے۔ چونکہ یہ حرکت شرع کے خلاف تھی، اس لیے آپ اُن سے ملاقات کیے بغیر ہی وہاں سے واپس چلے آئے۔ پیر صاحب کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو اُن کو بہت افسوس ہُوا، شرمندہ ہوئے اور آئندہ کے لیے احتیاط کا وعدہ کیا۔ اُس کے بعد آپ اُن سے دوبارہ جا کر ملے، مصافحہ کیا اور پیر صاحب کے اس عمل سے آپ کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔

کرامات

اولیاءِ کرام کے ہاتھوں کوئی عادت کے خلاف کام سرزد ہو اور جس کو دیکھ کر لوگ حیران رہ جائیں تو ایسے کام کو تصوّف کی اصطلاح میں "کرامت" کہا جاتا ہے۔

اِسی قسم کا کام اگر انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے ہاتھوں سرزد ہو تو اُسے "معجزہ" کہا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ولی صاحبِ کرامت ہو۔ اولیاءِ کرام کے حالات کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض ولی بیشمار کرامات کے حامل تھے اور بعض کے ہاتھوں ایک آدھ کرامت بھی سرزد نہیں ہوئی۔ آپ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ صاحبِ کرامت ولی اللہ تھے۔ آپ کی کرامات کی فہرست بھی بہت لمبی ہے تاہم برکت کے طور پر صرف دو کرامات کا یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھا جاتا ہے۔

آپ کے عقیدت مندوں میں ایک شخص کا نام امجد علی خاں تھا۔ یہ شکار کا بہت شوقین تھا۔ اتفاق سے ایک دن وہ شکار کو گیا تو اُس کا نشانہ خطا ہو گیا جس کی وجہ سے ایک آدمی اس کی گولی سے ہلاک ہو گیا۔ اُس پر مقدمہ چلا اور جرم ثابت ہونے پر عدالت نے اُسے پھانسی کا حکم دے دیا۔ پھانسی کی تاریخ سے پہلے اُس کے رشتہ دار آخری ملاقات کرنے کی غرض سے اُس کے پاس گئے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ امجد علی خاں کے چہرے پر کسی قسم کی پریشانی کے نشانات نہیں

ہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے اُس کی یہ کیفیت دیکھ کر اُس سے پوچھا کہ تمھیں دو دن کے بعد پھانسی دے دی جائے گی مگر ہم آپ کے چہرے پر اِس کا کوئی اثر نہیں دیکھ رہے ہیں تو اُس نے جواب دیا کہ میرے پیر و مُرشد اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں مجھے خواب میں ملے ہیں اور اُنھوں نے بتایا ہے کہ انگریزی عدالت تم کو پھانسی نہیں دے سکے گی۔ اُس کے دوسرے روز امجد علی خاں کی والدہ اُسے جیل میں ملنے کے لیے گئی۔ والدہ کا دل تھا۔ پھانسی کا خیال آتا تو بہت روتی۔ حوصلہ مند بیٹے نے پورے اعتماد کے ساتھ والدہ کو بتایا کہ مجھے پھانسی نہیں ہوگی اور میں انشاء اللہ کل ناشتہ آپ کے ساتھ گھر پر آکر کروں گا۔ پھانسی کی مقررہ تاریخ پر صبح سویرے اُسے جیل سے نکال کر پھانسی دیئے جانے والی جگہ پر پہنچا دیا گیا۔ پھانسی کا پھندا گلے میں ڈالنے سے پہلے اُس سے پوچھا گیا کہ تمھاری کوئی خواہش ہے تو امجد علی خاں نے اُن کو بتایا کہ میری موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ اِسی دَوران میں حکومت کا ایک قاصد دوڑتا ہُوا آیا اور دُور سے ہی یہ کہہ رہا تھا کہ رُک جاؤ، رُک جاؤ۔ جب وہ وہاں پہنچا تو معلوم ہُوا کہ ملکہ وکٹوریہ کی تاجپوشی

کی خوشی میں انگریز حکومت نے کئی مجرموں کو عام معافی دے دی ہے۔ اُن میں امجد علی خاں بھی شامل تھا۔ اُدھر جیل کے باہر اُس کے رشتہ دار اُس کی لاش وصول کرنے کی غرض سے کھڑے تھے کہ اتنے میں امجد علی خاں رہائی پانے کے بعد بذاتِ خود اُن کے پاس پہنچ گیا۔ رشتہ داروں نے یہ کیفیت دیکھ کر بیحد خوشی کا اظہار کیا۔ امجد علی خان نے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ مجھے پھانسی نہیں ہوگی اور میں ناشتہ آپ کے ساتھ آکر گھر پر کروں گا۔

آپ کا ایک اور عقیدت مند ڈاک خانے میں ملازم تھا۔ منی آرڈر فارم تقسیم کرنے میں اُس سے غلطی ہوگئی جس کے باعث اُس پر مقدمہ چلا اور اُسے سزا ہوگئی۔ غریب آدمی تھا۔ قید ہوگیا تو اُس کے بیوی بچوں کو فاقے آنے لگے۔ اُس کی بیوی ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا ماجرا عرض کیا۔ آپ نے اُسے "حسبنا اللّٰہ نعم الوکیل" پڑھنے کو کہا کہ اِس کا وظیفہ کرتی رہو۔ حسبِ ارشاد وہ وظیفہ کرتی رہی۔ اِسی دوران میں عدالت عالیہ میں اپیل دائر کرنے کے بعد وہ دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اسے پھر وہی

وظیفہ پڑھنے کی تاکید کی۔ چنانچہ وہ اِس وظیفے کو پورے خلوص اور توجہ کے ساتھ پڑھتی رہی۔ کچھ عرصے بعد عدالت عالیہ نے اُسے بری کر دیا۔

احتیاط

آپ کے بارے میں پروپیگنڈے کے ذریعے یہ بات عام کر دی گئی ہے کہ آپ مسلمانوں پر فوراً کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ یہ وہی بات ہوئی کہ چور تمہارا کان کاٹ کر لے گیا ہے اور وہ شخص بغیر سوچے سمجھے چور کے پیچھے بھاگنا شروع ہو گیا اور خیال نہ کیا کہ پہلے اپنا کان تو دیکھ لے۔ اگر کسی شخص تک یہ الزام پہنچے کہ آپ نے کُفر کی مشین کھول رکھی ہے تو اُس کا یہ فرض ہے کہ کم از کم وہ اپنے ہوش و حواس قائم رکھ کر اور جذبات سے دُور رہ کر غور تو کر لے۔ اور پھر کوشش کرے، اپنے وسائل کے مطابق تحقیق کرے کہ اگر کسی پر کفر کا فتویٰ آپ نے لگایا ہے تو اُس کی وجہ اور سبب تو معلوم کر لیا جائے۔ حالانکہ یہ الزام حقائق کے برعکس ہے۔ آپ پر یہ الزام لگانے والوں نے آپ پر ظلم کیا ہے اور بلاشبہ قیامت کے دن آپ اُن تمام لوگوں سے بجا طور پر پوچھنے کا حق رکھیں گے اور اُن کا گریبان آپ کے ہاتھوں میں ہو گا جنہوں نے بلاوجہ آپ کو اِس حد تک بدنام کرایا کہ لوگ

آپ کی دینی خدمات کو بھول جائیں اور آپ کا ذکرِ خیر تک نہ آئے۔ اور اگر کوئی شخص آپ کا نام لے بھی تو نفرت اور حقارت سے ہی لے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ "جو شخص بندوں کے احسان کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کے احسانات کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا ہے" آپ نے ایک ہزار سے زائد خالص مذہبی اور دینی کتابیں لکھ کر اس فتنے اور فساد کے زمانے میں دین کی زبردست خدمت کی ہے۔ پچاس سال مسلسل درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و نصیحت اور رُشد و ہدایت کا اہم فریضہ انجام دیتے رہے جو بلاشبہ عالمِ اسلام پر بڑا احسان ہے۔ پچاس قسم کے علوم و فنون پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ اتنے بڑے عالم سے یہ توقع قطعاً نہیں کی جا سکتی کہ وہ بلا سوچے سمجھے کسی مسلمان کو کافر کہہ دے۔ آپ خود بھی فرماتے ہیں کہ "گالی گلوچ کے طور پر کسی کو کافر کہا تو کافر نہ ہوا گناہگار ہوا اور اگر کافر جان کر کہا تو کافر ہو گیا"۔ اس قسم کی بیحد احتیاط کے بعد بھی اگر کوئی شخص محض آنکھیں بند کر کے آپ پر اس قسم کے الزامات لگانے کا سلسلہ جاری رکھے تو اُس کے لیے یہی دعا کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے

اور بدگمانی سے محفوظ رکھے۔ آج ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ آپ کے کلام کا مطالعہ کیا جائے۔ ماشاء اللہ کئی مشکل کتابوں اور رسالوں کے اُردو ترجمے موجود ہیں۔ آپ کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد انشاء اللہ یہ خدشہ کہ آپ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، خود بخود ذہن سے نکل جائے گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ "گلستان" میں فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی بہت زیادہ قابلیّت بھی اُس کی دشمنی اور لوگوں کے لیے انتہائی حسد کا سبب بن جاتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو آپ پر اس قسم کے الزامات کے پردے میں حسد کی آگ موجود ہے۔ کیونکہ آپ اپنے دَور کے چوٹی کے عالم تھے اور بلاشُبہ آپ کے علمی مقام اور مرتبے تک کوئی بھی نہ پہنچ سکا تھا۔ ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ آپ کے علمی کمالات سے فائدے اُٹھائے جاتے مگر بجائے اس کے آپ پر بے بُنیاد الزام لگا کر عوام کی توجہ آپ پر سے ہٹا دی گئی۔

آپ نے دیوبند کے چند علماء پر کفر کا فتویٰ ضرور لگایا ہے مگر اس کا پس منظر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن حضرات نے اپنی کتابوں

میں بعض عبارات ایسی لکھ ڈالی ہیں، جن سے نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے۔ اور توہینِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاشبہ کفر ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اور محبّت ایمان کی اصل ہے۔ آپ نے اِن قابلِ اعتراضات عبارتوں پر تقریباً بیس سال تک اُن حضرات سے خط وکتابت کی، وعظ ونصیحت کی اور اُن کو یاد دلایا کہ آپ کی یہ عبارات قابلِ مواخذہ ہیں۔ لیکن اُنھوں نے آپ کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی۔ پھر آپ نے عرب شریف کے چوٹی کے علما کی طرف رجوع کیا اور اُن سے اِس قسم کی قابلِ اعتراض عبارات کے بارے میں دریافت کیا۔ اُن سے رہنمائی حاصل کرنے کے بعد آپ نے کفر کا فتویٰ لگایا جس پر عرب شریف کے بعض نامور علما نے توثیق بھی کر دی۔

محبّتِ سادات

حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ”میری آل کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہے۔“ جو شخص اس کشتی پر سوار ہوا وہ طوفان میں غرق ہونے سے نجات پا گیا۔ اِس لحاظ سے ہر مسلمان کی یہ انتہائی خواہش

ہونی چاہیے کہ وہ سادات سے محبّت رکھے تاکہ اُس کی نجات کا سامان ہو سکے ۔ آپ چونکہ بہت بڑے عالمِ دین اور عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے اِس لیے آپ کو سادات سے بے پناہ محبّت تھی جس کا اظہار آپ کے کلام، عمل و کردار اور تقویٰ سے ہوتا ہے ۔ آپ سادات سے محبت کرنے کے معاملے میں بوڑھے، بچے یا جوان، امیر و غریب ، عالم و جاہل کی تمیز پیشِ نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ کو صرف نسلِ سیّد کی نسبت سے محبّت تھی ۔ سیّد اگر بچہ ہی ہوتا تو اُس کی بھی اُسی طرح عزّت و تعظیم بجالاتے جس طرح بڑوں کی عزّت کیا کرتے تھے ۔ کوئی سیّد آپ کے پاس آتا اور آپ کو اطلاع ہوتی تو سب کام چھوڑ کر اُس کے استقبال کی تیاریاں کرتے ۔ جب سیّد قریب پہنچتا تو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ، آنکھیں نیچے جھکا لیتے اور نہایت ادب کے ساتھ سلام عرض کرتے ۔ جس طرح کے آداب آپ بجالاتے تو اُسے دیکھ کر کوئی ناواقف شخص یہ خیال کرنے لگتا کہ شاید یہ اِن کا آقا ہے اور آپ اِس کے سامنے ادنیٰ غلام ہیں ۔ سادات سے محبّت کامل ایمان کی نشانی ہے ۔ جس شخص کو نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے جس قدر زیادہ محبت ہوگی اُس قدر زیادہ اُس کا ایمان پختہ ہوگا۔ سادات سے محبت کے سلسلے میں آپ کے چند واقعات درج ذیل ہیں:

کہتے ہیں کہ ایک بچہ آپ کے ہاں گھر کے چھوٹے موٹے کاموں میں مدد کرنے کے لیے ملازم ہوُا۔ کچھ عرصے بعد آپ کو پتہ چلا کہ وہ سیّد ہے۔ جوں ہی آپ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے گھر میں بتا دیا کہ آیندہ اس صاحبزادے سے کوئی کام نہ لیا جائے بلکہ آپ سب مل کر اس کی خدمت کریں کیونکہ یہ آقا ہیں اور ہم ان کے غلام ہیں۔ ان کی خدمت کرنا ہمارے لیے ضروری اور باعثِ سعادت ہے۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق ایسا ہی ہوا۔ اس سیّد زادے کی خوب دیکھ بھال ہونے لگی اور جو تنخواہ ماہوار مقرر تھی وہ بھی اُسے باقاعدہ نذرانہ کے طور پر دی جاتی رہی۔ اور اس بات کا ہمیشہ خیال رہتا کہ سیّد زادے کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ بعد میں وہ سیّد زادہ خود ہی اُن سے اجازت لے کر وہاں سے چلا گیا۔

ایک اور سیّد تھے جو غریب تھے۔ محنت مزدوری کرنے کے

قابل نہ تھے۔ مجبوراً دستِ سوال دراز کرتے اور کہتے کہ "دِلوا دو ایک سیّد کو"۔ اتفاق سے ایک دن وہ آپ کے گھر آئے اور یہی سوال کیا۔ آپ اُن کو نہایت عزّت کے ساتھ اپنے کمرے میں لے گئے۔ آپ کے پاس اُس وقت ذاتی اخراجات کے لیے دو سو روپے تھے جو ریزگاری کی صورت میں تھے۔ آپ نے روپوں کا وہ پورا بکس ہی اُٹھا کر اُن سیّد صاحب کی خدمت میں رکھ دیا اور خود اُن کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہے۔ سیّد صاحب دیر تک اُس بکس میں روپوں کو دیکھتے رہے اور آخر کار صرف ایک چوّنی لی اور دعائیں دیتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے اُن کو پھاٹک پر آ کر مؤدبانہ طور پر رخصت کیا۔ آپ نے اپنے گھر بتا دیا کہ آیندہ اگر یہ سیّد صاحب کسی وقت تشریف لائیں تو فوراً چوّنی کا نذرانہ اُن کی خدمت میں پیش کر دیا جائے اور خوب عزّت و تعظیم سے اُنھیں رخصت کیا جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق آیندہ اسی پر عمل ہوتا رہا۔

ان دو مثالوں سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کو سادات

سے کس قدر گہری محبّت تھی۔ کیوں نہ ہو جب کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایمان کی روح ہیں تو اُن کی آلِ پاک بھی اُمت کی سردار اور نجات کا ذریعہ ہیں۔

تصنیفات

تصنیف و تالیف کے میدان میں آپ نے جو کمال حاصل کیا وہ آپ کا ہی حصّہ تھا۔ آپ کے زمانے میں تو ایسی کوئی شخصیّت پیدا ہی نہیں ہوئی کہ جس کی اس قدر تصانیف ہوں۔ آپ سے پہلے زمانے میں بھی ہمیں ایسا کوئی کثیر التصانیف عالم نظر نہیں آتا کہ جس نے ہر شعبہ علم و فن پر بڑی تحقیقی کتابیں لکھی ہوں۔ جن جن بزرگوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں، اُن میں سے اُنھوں نے ایک ایک یا دو، دو علم و فن پر بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً اگر کسی کو قرآن سمجھنے میں کمال حاصل تھا تو اُس نے تفسیرِ قرآن لکھی ہے۔ کسی کو حدیث پاک پر عبور حاصل تھا تو اُس نے حدیث پر کتاب لکھی ہے اور اگر کسی کو فقہ میں عبور حاصل تھا تو اُس نے اِسی علم پر کتاب لکھی ہے۔ مگر آپ نے کم و بیش پچاس قسم کے علوم و فنون پر کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے جس کتاب کو بھی دیکھا جائے تو ایسے

لگتا ہے کہ آپ کو ہر ایک فن پر کمال حاصل تھا۔ پرانے اور نئے علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، منطق، معقول، منقول، عقائد، صرف و نحو، ریاضی، سائنس اور ہیئت وغیرہ سب پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ بعض لوگ تفسیر، حدیث اور فقہ کو قدیم علوم سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ یہ علوم قدیم بھی ہیں مگر یہ جدید سے جدید تر ہیں۔ کیونکہ یہ قیامت برپا ہونے تک دُنیا میں زندہ و تابندہ رہیں گے۔ اس لیے یہ قدیم و جدید کی اصطلاح سے باہر ہیں۔

آپ کی تصانیف کی تعداد جواب تک معلوم ہو سکی ہے وہ ایک ہزار ہے۔ ان میں کچھ ضخیم کتابیں ہیں، کچھ چھوٹی اور بعض رسالے ہیں۔ بڑی بڑی کتابوں میں "فتاویٰ رضویہ" بہت مشہور ہے۔ اس کی بارہ جلدیں ہیں۔ آپ کی تصانیف میں علاوہ دیگر خوبیوں کے ایک خاص خوبی یہ ہے کہ جس مسئلے پر قلم اُٹھاتے ہیں تو اُس پر زیادہ سے زیادہ حوالے اور دلیلیں قائم کر کے اپنے جواب کو ٹھوس، پختہ اور ناقابلِ تردید بنا دیتے ہیں۔ اُن کتابوں پر حوالہ جات کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کی نظر عالمِ اسلام کے تمام بڑے بڑے علما و بزرگانِ

دین کی کتابوں اور اُن کے عمل و کردار پر ہے ۔ کتابوں کے حوالے دیکھ کر یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا مطالعہ کتنا وسیع تھا ۔ اِس سے آپ کے ذہن کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جو کتاب بھی آپ مطالعہ کرتے گئے ہیں اُس کی عبارات آپ کے دل و دماغ پر اُترتی چلی گئی ہیں ۔ ورنہ اتنی بڑی تعداد میں اِن بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لیے تو ہزار سال عمر بھی ہو تب بھی جس طرح مطالعے کا حق ہے ، مطالعہ نہ ہو پائے ۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے ۔ ورنہ انسان کے بس سے یہ باتیں باہر ہیں کہ ہزارہا کتابوں کا مطالعہ بھی جاری رکھا جائے ، وعظ و نصیحت بھی کی جائے ، درس و تدریس کا شغل بھی ہو اور گھریلو معاملات پر بھی پوری پوری توجّہ رہے ۔ اور جس علم و فن کی بھی بات آئے تو اُس پر بولنا یا لکھنا شروع کرے تو ایسا لگے جیسا کہ سمندر بہہ رہا ہو ۔ آپ کی بعض بڑی بڑی کتابوں کا مختصر مگر جامع تعارف درج ذیل ہے :

کنز الایمان

کنز الایمان قرآن مجید کا ترجمہ ہے ۔ آپ کے عقیدت مندوں اور شاگردوں کے

اصرار پر آپ نے یہ ترجمہ لکھوایا ہے۔ اِس ترجمے کی بے شمار خُوبیاں ہیں۔ ترجمہ اِس قسم کا ہے کہ اپنے اندر تفسیر بھی رکھتا ہے اور اعتدال بھی پایا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کا ترجمہ کرتے وقت بعض بڑے بڑے عالم اصل مفہوم سے ہٹ گئے ہیں جن کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کو موقع ہاتھ آجاتا ہے کہ وہ قرآنِ مجید پر اعتراضات کر کے مسلمانوں کے اعتقادات کو بھی متزلزل کر دیں۔ مگر آپ نے ترجمہ کرتے وقت اِس خدشے کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا ہے۔ یہ ترجمہ جب شائع ہو کر عوام کے سامنے آیا تو اِسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک اندازے کے مطابق صرف تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی نے اب تک دو لاکھ گیارہ ہزار جلدیں شائع کی ہیں جو ہاتھوں ہاتھ عوام نے لے لی ہیں۔ کنز الایمان کا کم از کم ہدیہ پندرہ روپے اور زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو روپے تک رہا ہے۔ مگر ہدیے کی پرواہ کیے بغیر عوام نے جو بھی جلد اور جس ہدیے پر بھی دستیاب ہو سکی ہے خرید لی ہے۔ تاج کمپنی کے علاوہ بریلی شریف، مراد آباد، نُوری کتب خانہ لاہور، مقبول عام کُتب خانہ لاہور، مکتبہ رضویہ کراچی، نعیمی کتب خانہ گجرات، قرآن کمپنی لاہور اور چاند کمپنی لاہور نے اِس

وقت تک کنز الایمان کے جتنے نسخے چھاپے ہیں اُن کی تعداد کا صحیح شمار ابھی تک نہیں ہو سکا ہے۔ اِس قدر بڑی تعداد میں کنز الایمان کے شائع ہونے سے بھی اِس کی مقبولیّت کا صاف صاف اندازہ لگ جاتا ہے۔

فتاویٰ رِضویہ

یہ اُن فتووں کا مجموعہ ہے جو آپ نے اپنی پچاس سال کی علمی و تحقیقی زندگی کے دوران میں جاری کیے ہیں۔ اِن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق یہ مجموعہ بارہ جلدوں اور بارہ ہزار صفحوں پر مشتمل ہے۔ زندگی کے ہر شعبے اور روزمرّہ کے ہر مسئلے کا حل اِس فتاویٰ میں موجود ہے۔ اِس کے مطالعے کے بعد ہی صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا فقہ میں کتنا عظیم رُتبہ اور مقام ہے۔

علمِ توقیت

علمِ توقیت میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ اِس کے ذریعے دن کو سورج اور رات کو ستارے دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے۔ وقت اتنا صحیح نکلتا کہ ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا۔ ایک دفعہ آپ بدایوں تشریف لے گئے۔ مسجد حزما میں آپ

نے مولانا عبدالقادر بدایونی کی خواہش پر صبح کی نماز پڑھائی۔ دورانِ نماز میں آپ نے قرائت اتنی لمبی کی کہ مولانا عبدالقادر بدایونی کو شک ہوا کہ سورج نکل آیا ہوگا۔ نماز کے بعد لوگ باہر نکل کر مشرق کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی سورج نکلنے میں ۳ منٹ ۸ ۴ سیکنڈ باقی ہیں۔

علمِ تکسیر

علمِ تکسیر کے معنی تعویذ کا علم ہے۔ آپ کو اِس علم میں بھی بڑی مہارت حاصل تھی۔ تعویذ پُر کرنے کے بیشمار طریقوں سے آپ کو واقفیت حاصل تھی۔ آپ کے شاگرد مولانا ظفرالدین بہاری کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے نقشِ مربع تعویذ لکھنے کے گیارہ سو طریقے سیکھ لیے تھے۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر شاگرد کو اِس قدر طریقے آتے ہیں تو اُستاذ کے طریقوں کو کون شمار کر سکتا ہے۔

علمِ جفر

اِس علم میں بھی آپ کو ایسا کمال حاصل تھا کہ بیرونی ملکوں سے علما یہ علم سیکھنے کے لیے آپ کے پاس آتے۔ آپ نے یہ علم خود ہی اپنے ذوق اور شوق سے سیکھا ہے۔ آپ

کا طریق یہ رہا کہ خود ہی سوال کرتے اور پھر خوب غور و فکر کے بعد پوری پوری کوشش سے ہر سوال کا بالکل صحیح جواب نکال لیتے۔ اسی طرح کی مشقِ مسلسل سے آپ نے کمال کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔

خوش نویسی

آپ نے خوش نویسی کے فن میں بھی کمال حاصل کر لیا تھا۔ بلکہ اِس فن میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ خطِ نسخ، نستعلیق، خطِ مستقیم، خطِ شکستہ جیسے تمام قسم کے رسم الخط میں آپ کو خوب مہارت حاصل تھی۔ آپ کے خطِ شکستہ کے نمونے بعض کتابوں پر حاشیے کی صورت میں اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

تاریخ گوئی

تاریخ نکالنے کا فن آپ کو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے حاصل ہوا ہے۔ اِس فن میں بھی آپ کو اتنا کمال حاصل تھا کہ موقع و محل کے مطابق اور بغیر کسی تامّل کے فی البدیہہ فوراً تاریخی مادہ نکال لیتے۔ اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ کا نکالا ہوا تاریخی مادّہ غلط ثابت ہوا ہو۔ آپ کی اکثر تصانیف کے نام تاریخی ہیں۔ بعض اوقات آپ ایک ہی موقع پر دو چار بلکہ دس دس تاریخیں بھی نکال لیتے تھے۔ لوگ اپنے بچوں کی پیدائش کے موقع پر آپ سے

فرمائش کرتے کہ اُن کے تاریخی نام نکال کر بھیج دیں۔ آپ نے کبھی کسی کو مایوس نہیں کیا اور ہر شخص کی فرمائش پوری کی۔ آپ نے بعض اوقات ایسے وظائف پڑھنے کو بتائے کہ وظیفے کے اعداد اور وظیفہ پڑھنے والے کے نام کے اعداد برابر ہوتے جیسا کہ ایوب علی رضوی کو اُس کی خواہش پر آپ نے اُسے 'یا لطیف' کا وظیفہ پڑھنے کو دیا۔ 'یا لطیف' اور ایوب علی کے اعداد ۱۲۹ ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے اپنی پیدائش کا سال اور کوئی چار ماہ قبل اپنی وفات کے سال کا تاریخی مادّہ بھی نکال لیا تھا۔

اِس کے علاوہ آپ نے زیجات (ستاروں کی تقویم اور وقت کا نکالنا)، جبر و مقابلہ (الجبرا، جیومیٹری، ارشمیدس اور لوگارتھم وغیرہ)، نجوم، حساب، ہیئت (فلکیات کا علم)، ہندسہ، ریاضی، فلسفہ، منطق اور کیمیا پر آپ نے بہتّر (۷۲) رسالے اور کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے بعض آپ نے اپنے ذہن سے سوچ کر لکھی ہیں۔

سوانح اعلیٰحضرت

آپ کی زندگی میں ہی عقیدت مندوں نے آپ پر مقالات اور سوانح عمری

لکھنا شروع کر دی تھی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اس وقت تک ایک عام اندازے کے مطابق آپ پر ساٹھ کتابیں، رسالے اور مجموعۂ مقالات لکھے جا چکے ہیں جو کچھ کتابی سائز میں، کچھ میگزین سائز اور کچھ دوسرے مختلف سائزوں میں لکھے گئے ہیں۔ اگر ان تمام کتابوں کے صفحے شمار کیے جائیں تو اُن کی تعداد قریباً چھ ہزار بنتی ہے۔ اگرچہ ایک بہت بڑے عالم، محقق، مفکّر اور ایک ہزار سے زائد کتابوں کے مصنّف کی دینی خدمات کو ظاہر کرنے کے لیے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کم ہے۔ تاہم آپ کے ہمعصر دوسرے علما پر کام کا جائزہ لیا جائے تو پھر اتنا کام بھی حوصلہ افزا نظر آتا ہے۔ بھارت میں ہر طبقے کے لوگ مثلاً قانون دان، دانشور، مفکّرین، سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں، علمائے کرام اور مشائخِ عظّام نے مل کر ۲۱ر نومبر ۱۹۷۳ء کو "آل انڈیا سُنّی لیگ" کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اِس لیگ کا سب سے بڑا فرض یہ ہوگا کہ خالص حنفی عقیدوں کی تبلیغ کا فریضہ انجام پائے۔ یہ لیگ نجدیت کے خلاف جہاد کرے گی اور اعلحضرت کے شاندار علمی و تحقیقی کارناموں کو عوام تک پہنچائے گی۔ اِس سلسلے کی پہلی کڑی "آل

انڈیا سُنّی لیگ" نے ماہ نامہ "المیزان" پہلی پیش کش کے طور پر ۲۶ر مارچ ۱۹۷۶ء کو شائع کر کے عوام تک پہنچا دی ہے۔ اسی طرح پاکستان میں بھی "مرکزی مجلسِ رضا، لاہور" اپنے وقتِ قیام کے بعد سے اب تک حوصلہ افزا کام انجام دے چکی ہے۔ یہ مجلس بیادِ اعلیٰحضرت جلسے منعقد کرانے کا اہتمام کرتی ہے اور آپ پر تحریری کام کی بھی حتی المقدور حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ اِس مجلس کی ہدایت پر جگہ جگہ ذیلی مجلسیں بھی قائم ہو چکی ہیں۔ اِن سب کا واحد مقصد آپ کی تعلیمات کو عام کرنا ہے تاکہ عرب و عجم کے تمام مسلمان آپ کے علمی کارناموں سے واقفیت حاصل کر سکیں اور اپنی زندگیوں کو قرآن و سُنّت کے مطابق ڈھالنے میں رہنمائی حاصل کر سکیں کہ یہی نجات کا راستہ ہے۔

نعت گوئی

آپ بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کے علمی کمالات کے پیشِ نظر شاعری آپ کے لیے باعث افتخار و اعزاز نہیں۔ لیکن آپ نے جس نئے انداز سے نعتیہ شعر کہے ہیں وہ صرف آپ ہی کا حصّہ تھا۔ آپ کی تمام شاعری کا زیادہ حصّہ نعتِ رسول مقبول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر مشتمل ہے۔ آپ سے

پہلے بھی کئی شعرا نے نعتیں لکھی ہیں مگر اُن کا انداز عامیانہ تھا۔ مگر آپ نے نعتیہ شعر کہتے وقت مقامِ نبوّت اور حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے رُتبے اور اعلیٰ مقام کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھا ہے۔ آپ کے ہر ایک شعر سے کمال ادب اور بیحد تعظیم کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ نے اِس کیفیّت کو ظاہر کرنے کے لیے ایک مقام پر خود ہی فرمایا ہے کہ ؎

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

نعت گوئی واقعی بڑا مشکل فن ہے۔ شعر کہتے وقت بیحد احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ اِس مشکل کا احساس آپ نے خُود ہی دلایا ہے اور فرمایا ہے کہ "حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اِس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ 'حمد' آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض 'حمد' میں ایک جانب اصلاً کوئی حد تنک اور نعت میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کیا

جائے تو تفسیر و حدیث کی ترجمانی نظر آتی ہے۔ بعض مقامات پر آپ نے قرآن و حدیث کے اصل الفاظ ہی شعروں میں کہہ دیئے ہیں۔

انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کے سالانہ جلسہ جو اغلب ہے کہ ۱۹۲۹ء کو منعقد ہوا، علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کے صدر تھے۔ ایک نعت خواں نے اعلحضرت کی ایک نعت پڑھی جس کا مصرعہ تھا ؎

رضائے خدا اور رضائے محمد

پوری نعت سُننے کے بعد حضرت علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنی صدارتی تقریر کے لیے اُٹھے اور اِس مصرعہ کی طرز پر درج ذیل دو شعر ارشاد فرمائے ؎

تماشا تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش　　لگائے خدا اور بجھائے محمد

تعجب تو یہ ہے کہ فردوسِ اعلیٰ　　بنائے خدا اور بسائے محمد

آپ نے دوسرے شاعروں کی طرح کسی رئیس، دولت مند یا نواب کی شان میں کبھی کوئی شعر نہیں کہا۔ ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں ؎

کروں مدح اہلِ دُوَل رضاؔ پڑے اِس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

آپ فرماتے ہیں کہ میں اس مصیبت میں پڑنا ہی نہیں چاہتا ہوں کہ دولت مندوں کی مدح کروں کیونکہ میں تو اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گدا ہوں اور میرا دین روٹی کے ٹکڑے کا محتاج نہیں ہے۔ غرض آپ کی شاعری میں حمد، نعت، صحابہ کرام و اولیاء عظام کی شان میں شعر اور دعائیں شامل ہیں۔ آپ نے عربی، فارسی، اُردو اور ہندی میں شعر کہے ہیں۔ بعض نعتوں میں ان چاروں زبانوں کو استعمال کر کے اُردو ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔

آپ کے نعتیہ کلام کو جس قدر شہرت دوام حاصل ہوئی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ برِّ عظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کا کوئی بھی گھرانہ ایسا نہ ہوگا جس میں آپ کے نعتیہ شعروں کی غنایت نہ پائی جاتی ہو بلکہ بچے بوڑھے سب آپ کا کوئی نہ کوئی شعر وردِ زبان رکھتے ہیں۔ آپ کا درجِ ذیل سلام تو بہت ہی مشہور ہے ؎

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

آپ کے نعتیہ کلام میں شاعری کے تمام فن موجود ہیں اور ہر وزن میں شعر پائے جاتے ہیں۔ یہ خُوبی بھی آپ کے علاوہ کسی اور شاعر کو نہ حاصل ہوسکی۔ آپ کے شعری کلام کے مجموعے کا نام "حدائقِ بخشش" ہے۔ تبرکاً چند اور شعر بھی درجِ ذیل ہیں:

؎ تیری نسلِ پاک میں ہے بچّہ بچّہ نُور کا
تُو ہے عینِ نُور تیرا سب گھرانہ نُور کا

؎ حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

؎ کیوں جنابِ بُوہریرہ کیسا تھا وہ جامِ شیر
جس سے ستّر صاحبوں کا دُودھ سے منہ بھر گیا

؎ سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی — سب سے بالا و والا ہمارا نبی
غمزدوں کو رضاؔ مُژدہ دیجیے — بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی

؎ میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

؎ وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

آپ کی نعتیں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں بلاشبہ مقبول ہوئیں۔ اِس سلسلے میں ایک واقع درج ذیل ہے جو شرفِ قبولیت پر شاہدِ عادل ہے:۔

کہتے ہیں کہ آپ کے انتقال کے وقت بیت المقدس میں ایک بزرگ، جن کا تعلق شام سے تھا، خواب کی حالت میں دربار رسالتمآب میں حاضر ہوئے۔ اُس دربارِ عالیہ میں صحابۂ کرام اولیاءِ عظام بھی موجود تھے۔ مجلس کی ظاہری حالت سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کسی اور شخص کے آنے کی انتظار ہے۔ اس کیفیت کے پیشِ نظر وہ شامی بزرگ آگے بڑھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضور! کس کا انتظار ہے؟ سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ہمیں 'احمد رضا' کا انتظار ہے"۔ اُنھوں نے پھر عرض کیا کہ حضور! 'احمد رضا' کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں بریلی کے باشندہ ہیں۔ وہ شامی بزرگ جب خواب سے بیدار ہوئے تو آپ کی زیارت و ملاقات کے شوق میں ہندوستان کی طرف چل پڑے مگر بریلی پہنچ کر اُن کو معلوم

ہوا کہ اس عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُسی روز ہی انتقال ہوگیا تھا جس روز انھوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا تھا کہ "ہمیں احمد رضا" کا انتظار ہے۔" حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کی طرح آپ کو بھی یہ انعام صرف نعتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنے کے بدلے میں ملا ہے جو بہت بڑی سعادت ہے۔

سیاسی خدمات

آپ سے پہلے اہلِ سُنّت کے بہت مشہور علماءِ کرام عملی طور پر سیاست میں حصّہ لے چکے تھے۔ اِن میں سے علامہ فضلِ حق خیر آبادی، مولانا سیّد کفایت علی کافی مراد آبادی، مولانا عبد الجلیل شہید علی گڑھی، مولانا سیّد احمد اللہ شاہ مدراسی شہید، مولانا مفتی صدر الدین خاں آزردہ، علامہ مفتی عنایت احمد کاکوری، مولانا فیض احمد بدایونی، منشی رسول بخش کاکوروی، مولانا وہاج الدین، وغیرہ نے تحریکِ آزادی میں بھرپور حصّہ لیا اور انگریزوں کے خلاف تحریر و تقریر کے علاوہ عملی طور پر جہاد کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے ناکامی، مُغلیہ سلطنت کے خاتمے اور انگریزوں

کے ہندوستان پر پورے طور پر قبضے کے بعد انگریز حکومت نے بعض علمائے کرام جنگِ آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے جزیرہ انڈیمان میں قیدی کی حیثیت سے بھیج دیا۔ اِن میں سے علامہ فضلِ حق خیرآبادی اور مفتی عنایت احمد کاکوروی کا نام سرِفہرست ہے۔ اوّل الذکر کا انتقال بھی وہیں ہوا۔ اِن کے علاوہ چند اور علما کو بھی قید کی صعوبتیں اُٹھانا پڑیں۔ مگر اُنھوں نے آخر دم تک کلمۂ حق کہنے سے گریز نہ کیا۔ آزادی کی خاطر جہاد کیا۔ انگریز حکومت نے جب علما پر سختی کی تو ہندوستان کے بعض نام نہاد علماء نے انگریزوں سے صُلح کر لی اور وظیفے لے کر اُن کے گیت گانے لگے۔

اگرچہ انگریزوں نے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا تھا مگر جہادِ آزادی کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ زور و شور سے جاری تھی۔ مولانا احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں آزادی کے لیے جدوجُہد ایک نیا رُخ اختیار کر چکی تھی۔ ہندو کی چالاکی اور مکّاری بہت مشہور ہے۔ چنانچہ اُس نے ہر طبقہ کے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی۔ خصوصاً علماء کے طبقہ پر تو اُس نے بہت زور لگایا۔

ہندوؤں کی صرف ایک ہی قومی جماعت کانگریس، تھی جو وطن کی آزادی کے ساتھ ساتھ ہندوستان پر حکمرانی کے خواب بھی دیکھ رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں "مسلم لیگ" اور سُنّی علماء و مشائخ کی جماعت تھی۔

جس وقت جناب قائدِ اعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا مطالبہ کیا تو اُس وقت انگریزوں اور ہندوؤں کے علاوہ چودہ جماعتیں مسلمانوں کی بھی کھُل کر پاکستان کی مخالفت کر رہی تھیں۔ ان میں جمعیت علماءِ ہند، (جمعیت علماءِ اسلام) جماعت اسلامی، سُرخ پوش، مجلسِ احرار، خاکسار جماعت، قابلِ ذکر ہیں۔ مسلم لیگ کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کام کرنے کا شرف صرف علماءِ اہلِ سُنت و مشائخ عظّام کو ہی حاصل رہا ہے[۱]۔

اعلحضرت بریلوی نے جب مسلمانوں کی سیاسی راہنمائی کی تو

---

۱ ان تاریخی حقائق کے لیے "تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم" از پروفیسر محمد مسعود احمد اور خطبات آل انڈیا سُنی کانفرنس مرتبہ محمد جلال الدین قادری ملاحظہ ہوں (زبیر احمد قادری ضیائی)

سب سے پہلے مسجدِ کانپور کا واقع پیش آیا۔ امپروومنٹ ٹرسٹ کمیٹی کانپور نے جب فروری ۱۹۱۳ء کو شہر کی سڑک کھلی کرنے کی غرض سے مسجد کا ایک حصّہ گرایا تو پورے ہندوستان میں زبردست احتجاج ہوا اور یہی احتجاج آگے چل کر تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ حکومت نے وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر مذاکرات کرنے کی پیش کش کی۔ چنانچہ ۱۶ر اگست ۱۹۱۳ء کو ایک وفد نے، جس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، راجہ صاحب محمود آباد اور سر رضا علی شامل تھے، حکومت کے ساتھ بات چیت کی۔ مولانا عبدالباری نے چند شرائط پر صلح منظور کر لی جس میں سے ایک شرط یہ تھی کہ چونکہ مسجد کی سطح زمین سے کئی فٹ بلند ہے، اس لیے جس جگہ غسل خانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کر لیے جائیں گے لیکن نیچے کی زمین پر فُٹ پاتھ بنا دیا جائے گا۔ چونکہ یہ اقدام شرع کے خلاف تھا لہٰذا مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خلاف آواز اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آپ نے مولانا عبدالباری کے ردّ میں اباَنۃ التواری تحریر فرمائی اور حاجی مقتدیٰ خان شروانی نے ایلیس کا خطبۂ صدارت، چھپوایا۔ مولانا عبدالباری نے اپنی غلطی ماننے کی

بجائے دفاعی صورت اختیار کی تو آپ نے اُن کے ردّ میں ایک اور کتاب "جامع الوہیات" شائع کر دی تو مولانا عبد الباری سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ پھر کچھ عرصے بعد مولانا نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا امجد علی کے سامنے اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کے بعد توبہ کی۔ اُن کا یہ توبہ نامہ روزنامہ "ہمدم" میں شائع ہوا۔

ہندو ایک طرف تو انگریزوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے چلے جا رہے تھے تو دوسری طرف (وہ خود) طرح طرح کی من گھڑت باتیں نکال کر مسلمانوں کو منتشر کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ہندوؤں نے آپس میں مل کر ایک منصوبہ تیار کیا جس کے تحت اُنھوں نے ایک استفتا "وکہ موقعِ بقر عید کی قربانی جب کہ موجبِ فتنہ و فساد ہے اور امنِ عامہ کی وجہ سے اِس میں خلل آتا ہے، اگر گائے کی قُربانی موقوف کر دیں تو کیا مضائقہ ہے؟" مرتب کر کے تمام علمائِ کرام کے پاس مختلف شہروں میں بھیج دیا۔ بعض علماء جن پر ہندوؤں کا اثر و رُسوخ تھا اور جو "ہندو مسلم بھائی بھائی" کے نعرے کے حامی تھے، نے کھُل کر لکھ دیا کہ اگر فتنہ و فساد کا خطرہ ہو تو گائے کی قربانی وقتی تقاضے

کے تحت موقوف کی جا سکتی ہے۔ مگر آپ نے اِس استفتا کے جواب میں ایک رسالہ "انفس الفکر فی قربان البقر" لکھ کر واضح کر دیا کہ یہ سُنتِ ابراہیمی ہے اور ہمارا دینی شعار ہے۔ اِسے وقتی نزاکت کے تحت کسی بھی صورت میں ملتوی یا موقوف نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد ہندوؤں کا یہ داؤ آئندہ نہ چل سکا اور مسلمانوں کی آنکھیں کھُل گئیں اور اُنہیں احساس ہو گیا کہ ہندو چند نام نہاد علما کو اپنے ساتھ شامل کر کے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے پر تُلا ہُوا ہے اور اُن کو یہ بھی بخوبی اندازہ ہو گیا کہ اگر رفتہ رفتہ مسلمانوں کے دینی شعار کو مٹانے کی کوشش کی گئی اور اگر خدا نخواستہ یہ شعار مٹ گئے تو مسلمانوں کے پاس باقی کیا رہ جائے گا۔ ہندو رہنماؤں بالخصوص مسٹر گاندھی کو آپ کے رسالے پر بڑی تشویش ہوئی اور بروقت مسلمانوں کو اس ناپاک منصوبے سے آگاہ کرنے پر آپ ہندوؤں کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے۔

ترکیہ میں عثمانی خلافت خطرے میں تھی۔ اسے سہارا دینے کی خاطر ہندوستان میں ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء کو "خلافت کمیٹی" کی بنیاد رکھی

گئی - اِس کمیٹی نے ہندوستان میں ایک تحریک کا آغاز کیا جو تحریک خلافت کے نام سے مشہور ہوئی - اِس تحریک میں مسٹر گاندھی پہلی صف میں کھڑا تھا اور تحریک میں اُس نے بھرپور حصّہ لیا - کیا مسٹر گاندھی کو مسلمانوں سے کوئی ہمدردی تھی ؟ اس کا جواب نفی میں ہے - کیونکہ مسٹر گاندھی کو مسلمانوں سے قطعاً کوئی ہمدردی نہ تھی - البتہ وہ چاہتا تھا کہ ہندوستان میں یہ تحریک مذہبی رُخ اختیار کر لے - مسلمان اشتعال انگیزی پر اُتر آئیں اور انگریز حکومت اُن کو کچل کر رکھ دے - اِس کے سوا مسلمانوں کے ساتھ مسٹر گاندھی کو کوئی ہمدردی نہ تھی - اِس کے علاوہ اِس تحریک میں ہندوستان کی تمام سیاسی و مذہبی تنظیموں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق حصّہ لیا - البتہ مسلم لیگ کے چند قائدین اور علمائے اہلِ سنّت و مشائخ نے اس بے راہ تحریک کی کھل کر مخالفت کی - تحریک کے دوران میں بعض سیاسی رہنما گرفتار بھی ہوئے جن میں علی برادران ، قابلِ ذکر ہیں - ہندوستان میں اُٹھنے والی دوسری تحریکوں کی طرح یہ تحریک بھی اپنی موت آپ مر کر ختم ہو گئی -

مئی ۱۹۲۰ء میں بمبئی میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی۔ اِس کانفرنس میں "عدم تعاون" کے اصول کو تسلیم کیا گیا اور متفقہ طور پر مسٹر گاندھی کو اِس کا رہنما مقرر کیا گیا۔ یہ تحریک بھی مسٹر گاندھی کی قیادت میں بڑے زور وشور سے شروع ہوئی جس میں ملک کے بڑے بڑے علماء نے بھی حصّہ لیا مگر اس تحریک میں بھی "مسلم لیگ" اور علماءِ اہلِ سُنّت نے تحریک کے مضرت رساں پہلوؤں کو مدلّل طریقہ سے عوام کے سامنے پیش کیا۔ کیوں کہ اس کے پسِ پردہ ہندو اپنے مقاصد کی تکمیل کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں نے کئی مشہور علما کو اپنے دامِ فریب میں پھنسا رکھا تھا۔ اس کا احساس بعد میں تو سب ہی کو ہو گیا تھا مگر وقت کی نزاکت کا اندازہ جناب قائدِ اعظم کے علاوہ علماءِ اہلِ سُنّت و مشائخ عظّام کو پہلے سے ہی ہو گیا تھا۔

"اعلیٰ حضرت بریلوی اگرچہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے ۲۶ سال قبل واصل بحق ہو چکے تھے۔ تاہم آپ کے شاگردوں نے آپ کے نقشِ قدم پر چل کر تحریکِ پاکستان کو آخر دم تک جاری رکھا۔ ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں "دو قومی نظریے" کے تحت قراردادِ پاکستان

منظور ہو گئی۔ علمائے اہلِ سُنّت (بریلوی مسلک) شروع سے ہی دو قومی نظریے کی دعوت دیتے چلے آرہے تھے۔ اس لیے اُنھوں نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے ہندوستان کے لاکھوں مسلمانوں کو تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کے لیے آمادہ کیا۔ مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کے طول و عرض میں دَورے شروع کیے۔ یاد رہے کہ آل انڈیا سُنّی کانفرنس، خود مولانا موصوف نے قائم کی تھی۔ جس کا پہلا جلسہ ۱۹۲۵ء میں مرادآباد میں ہوا تھا۔ مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے صدر آل انڈیا سُنّی کانفرنس (پنجاب) مولانا ابوالحسنات محمد احمد کو ایک خط لکھا۔ اُس کے چند ٹکڑے نیچے درج کیے جاتے ہیں :۔

۱۔ آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا نام "جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ" ہے۔ یہ دو ایوانوں پر مشتمل ہو گی۔ ایک ایوانِ عام اور دوسرا ایوانِ علماء۔ ایوانِ علما، کا نام "جمہوریت عالیہ" ہو گا۔

۲۔ پاکستان کی تجویز سے جمہوریتِ اسلامیہ کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں۔ خود (قائدِ اعظم محمد علی) جناح اس کے حامی رہیں

یا نہ رہیں۔

۳۔ الیکشن کے موقع پر کانگریس کے حق میں رائے دینے سے مسلمانوں کو روکنا بجا ہے۔

۱۹۴۵ء میں "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" کی سرگرمیوں کو تیز سے تیز تر کر دیا گیا۔ ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس میں چار روزہ سُنّی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کے پانچ ہزار علما و مشائخ اہلِ سُنّت نے شرکت کی۔ متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی جو درج ذیل ہے:-

"آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علما و مشائخ اہلِ سُنّت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآنِ کریم اور حدیثِ نبویّہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔"

علاّمہ سیّد محمد محدّث کچھوچھوی (شاگرد اعلیٰحضرت) نے ۱۹۴۶ء کو اجمیر شریف میں اِسی طرح کا ایک اجلاس منعقد کرایا۔ آپ نے اِس

اجلاس کے صدارتی خطبے میں ارشاد فرمایا کہ:

۱۔ "اب بحث کی لعنت چھوڑو۔ اُٹھ پڑو۔ کھڑے ہو جاؤ۔ چلے چلو۔ ایک منٹ بھی نہ رُکو۔ پاکستان بنا لو تو جا کر دم لو۔ یہ کام اے سُنیو! سُن لو کہ صرف تمہارا ہے۔

۲۔ اگر ایک دم سارے سُنی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتا دے کہ مسلم لیگ، کس کو کہا جائے گا؟ اِس کا دفتر کہاں رہے گا؟ اور اِس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اُٹھائے گا؟"

اعلیحضرت نے نہایت نازک حالات میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی فرمائی جبکہ بہت سارے دوسرے عالم دین انگریزوں اور ہندوؤں کے ہاتھ بِک کر مسلمانوں کی آزادی کے لیے کوئی کام نہ کر سکے بلکہ زبردست رکاوٹ بن کر راستے میں حائل رہے۔ مگر آپ کے بعد آپ کے شاگردوں نے بڑھ چڑھ کر تحریکِ پاکستان میں کام کیا اور آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا اور مسلمانوں نے اِس نعمت کے حاصل ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا خلوصِ قلب سے شکریہ ادا کیا۔ جن بڑے بڑے علماءِ اہلِ سُنّت و

مشائخ عظّام نے تحریکِ پاکستان میں حصّہ لیا اُن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں :-

مولانا سیّد محمد محدّث کچھوچھوی، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا مصطفیٰ رضا خاں، مولانا امجد علی (صاحبِ بہارِ شریعت)، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (والد مولانا شاہ احمد نورانی)، مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمدؒ پیر صاحب جلال پور شریف، مولانا ابوالبرکات سیّد احمد، مولانا عبدالحامد بدایونی، دیوان سیّد آلِ رسول (سجادہ نشین درگاہ خواجہ غریب نواز اجمیر شریف)، خواجہ قمرالدین سیالوی، مولانا شاہ عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف، سیّد امین الحسنات مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف، پیر سیّد جماعت علی شاہ، علاّمہ سیّد پیر مغفور القادری والد سیّد محمد فاروق القادری ایم-اے (گڑھی اختیار خان) مولانا پیر غلام قادر اشرفی اور مولانا مصطفیٰ علی خان۔

پاکستان قائم ہو جانے کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء کو مدرسہ انوارالعلوم ملتان میں علماء و مشائخ اہلِ سُنّت کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" کا نام بدل کر جمعیت العلماءِ پاکستان،

رکھا گیا۔ مولانا ابوالحسنات محمد احمد کو صدر اور مولانا احمد سعید کاظمی کو ناظمِ اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ جمعیت العلمائے پاکستان، آج بھی پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے بھرپور کوشش کر رہی ہے۔

ترکِ موالات

خلافت کمیٹی سٹیج پر سے، مسٹر گاندھی کے اشارے پر اور اُس کے ہی ذہن سے نکلی ہوئی تجویز کے مطابق "تحریک ترکِ موالات" شروع ہوئی۔ موالات کہتے ہیں: دوستی، اتحادِ عمل اور معاملات کو۔ اِس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں سے ہر قسم کے معاملات اور اتحادِ عمل کو ترک کر دیا جائے۔ ہندوؤں نے اپنے زیرِ اثر علما کی توجہ اِس تحریک کی طرف دلائی اور اُن کے ذریعے مسلمانوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ انگریزوں سے ترکِ موالات کرنا گویا ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ مسٹر گاندھی نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر اپنے اثر و رسوخ والے علما مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ سے ترکِ موالات کے حق میں فتویٰ جاری کرا دیا۔ اُدھر اُدھر مولانا حسین احمد دیوبندی نے جامع مسجد دہلی کے منبر پر مسٹر گاندھی کو بٹھا کر اُس کی زیرِ صدارت ایک عام جلسہ منعقد کرایا۔[1]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

اِس کے علاوہ مولانا محمود الحسن نے بھی ترکِ موالات کی کھُل کر حمایت کر دی۔ جمعیت العلماءِ ہند اور دوسرے علما جن کا تعلق کانگریس سے تھا یا جو مسٹر گاندھی کی مُٹھی میں تھے، سب نے مل کر ترکِ موالات کی حمایت کا اعلان کر دیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو قرآن و حدیث پڑھ پڑھ کر سُناتے رہے کہ واقعی انگریزوں سے ترکِ موالات جائز اور درست ہے۔ اس تحریک کے دوران میں قائدِ اعظم اور (ان کی لیگ ممبران) مکمّل کنارہ کش رہے۔ کیونکہ اُن کو معلوم تھا کہ یہ تحریک مسٹر گاندھی کی چلائی ہوئی ہے اور مسلمان نادان ہیں۔ جذبات میں آکر جو منہ میں آتا ہے کہے جاتے ہیں۔ کچھ عرصے بعد یہ تحریک بھی خود بخود مٹ گئی اور تب جا کر ہندوستان کے علما و عوام کو اپنی حماقت کا احساس ہُوا۔ اعلیٰحضرت اِس تحریک میں مکمل طور پر علیحدہ رہے۔ اِسی دوران میں چودھری

لے مولوی حسین احمد دیوبندی کی ملّت دُشمنیوں کی تاریخی داستان کے لیے کتاب "اقبال کا آخری معرکہ" از سیّد نور محمد قادری پڑھی جائے۔
(زبیر احمد قادری ضیائیؒ)

عزیز الرحمن (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) اسلامیہ ہائی سکول لائل پور (موجودہ فیصل آباد) نے ۱۸/ دسمبر ۱۹۲۰ء مطابق ۱۲/ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو ترکِ موالات کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ حاصل کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں "استفتا" بھیج دیا۔ آپ نے جواباً ایک تفصیلی فتویٰ جاری کیا جو بعد میں ایک رسالے کی صورت میں شائع ہُوا۔ اِس فتوے کا لُب لباب یہ ہے کہ موالات پہلے کافر سے ترک کرو پھر انگریز سے۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے کہ کافر (بُت پرست) سے دوستی مت کرو۔ مشرکین ومنافقین سے دوستی مت کرو اور یہود و نصاریٰ سے بھی دوستی مت کرو۔ کیونکہ یہ ہرگز تمہارے دوست نہیں بن سکتے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ "الکفر ملّة واحدة" یعنی کفّار ایک ہی قوم ہیں۔ کفّار سے مراد وہ سب لوگ ہیں جو غیر مسلم ہیں۔ آپ نے جب یہ فتویٰ جاری کیا تو اِس سے مسٹر گاندھی اور اُس کے دوست علما کو سخت تکلیف پہنچی۔ ضرورت اِس بات کی تھی کہ جب صحیح فتویٰ علما کی نظر میں آ گیا تھا تو وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہوتے اور ندامت کے ملے جُلے جذبات سے مکمّل طور پر توبہ کر کے دینِ اسلام کی

طرف رجوع کرتے اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتے اور اُن کو بتاتے کہ مسٹر گاندھی مسلمانوں کا ہمدرد قطعاً نہیں ہو سکتا ہے اور وہ صرف انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کو صف آرا کر کے اِن کو استعمال کر کے انھیں نقصان پہنچانے کے درپے ہے اور خُفیہ طور پر اِس قسم کے منصوبے تیار کر رہا ہے کہ مسلم قوم ہندوستان سے مٹ جائے یا کمزور پڑ جائے تو ہندوستان پر صرف ہندوؤں کی ہی حکومت قائم ہو سکے۔ اِن علمانے وقت سے کوئی سبق نہ حاصل کیا اور آپ کے خلاف الزام لگانے شروع کر دیئے کہ اعلیٰحضرت آزادی وطن کے مخالف ہیں۔ وہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے جُدا کر رہے ہیں جبکہ ہندو مسلم بھائی بھائی ہیں۔ ہم سب ہندی ہیں اور ہندوستان ہمارا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِس کے علاوہ ایک اور الزام لگایا کہ اعلیٰحضرت اور اُس کے ہم خیال علما و مشائخ انگریزوں کے ایجنٹ ہیں تب ہی تو اُنھوں نے ترکِ موالات کی حمایت نہ کی بلکہ کھُل کر مخالفت کی۔ ہم کہتے ہیں کہ انگریزوں سے ترکِ موالات کرو اور یہ کہتے ہیں کہ پہلے بُت پرستوں سے ترکِ موالات ضروری ہے کہ قرآنِ مجید کا حکم بھی یہی ہے۔ پاکستان

قائم ہو گیا مگر یہ لوگ اُس وقت سے تا حال بریلوی مسلک کے علماء و مشائخ کو انگریزوں کا ایجنٹ کہہ کر پکارتے ہیں[1]۔ مگر انصاف سے دیکھا جائے تو کیا اُن کا یہ الزام درست ہے؟ یہ الزام سراسر جھوٹا ہے اور اِس محاورے کے مصداق "کھسیانی بلّی کھمبا نوچے" والی بات ہے۔ آپ نے ترکِ موالات کے مذہبی، تاریخی، سیاسی اور معاشی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ "اگر سب مسلمان زمینداریاں، تجارتیں، نوکریاں، تمام تعلقات یکسر چھوڑ دیں تو کیا تمہارے جگری خیر خواہ جملہ ہنود بھی ایسا ہی کریں گے؟ اور تمہاری طرح ننگے بھوکے رہ جائیں گے؟ حاشا ہرگز نہیں۔ زنہار نہیں"۔ آپ نے مزید فرمایا کہ آؤ اب تمہیں قرآنِ عظیم کی تصدیق دکھائیں اور اُن کی طرف سے اس میل (دوستی) اور میل کا راز بتائیں: دشمن اپنے دشمن کے لیے

---

[1] حسین احمد نے علاّمہ اقبال کو بھی انگریز کا ایجنٹ کہا ہے اور قائدِ اعظم کو بھی کہا ہے اور پاکستان کے وجود کو انگریز کی دسیسہ کاری بتایا ہے۔ (زبیر احمد قادری ضیائی)

تین باتیں چاہتا ہے۔

اوّل: اُس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

دوم: یہ نہ ہو تو اُس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم: یہ بھی نہ ہو سکے تو آخیر درجہ اُس کی بے پری (یعنی بے دست و پا کرنا) کہ عاجز بن کر رہے۔

اس کے بعد آپ نے مسٹر گاندھی کی سب تحریکوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جن میں سے ہر تحریک کا پہلا مقصد یہ ہی تھا کہ چونکہ مسلمان افغانستان ایران اور عرب شریف کی طرف سے ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے ہندوستان میں آئے اور اُنھوں نے یہاں آکر اسلام کی دعوت دی لہٰذا ان مسلمانوں کو چاہیے کہ ہجرت کر کے دوبارہ ان ہی ملکوں کی طرف لوٹ جائیں تو ہندوستان کی سرزمین ان مسلمانوں سے خالی ہو جائے گی اور انگریز یوں بھی کسی نہ کسی دن ہندوستان سے اپنا بوریا بستر اُٹھا کر چلا جائے گا۔ لہٰذا ہندوستان پر ہندوؤں کی حکومت بغیر شرکت غیرے قائم ہو جائے گی مگر دشمن کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ کانگریس کے ایجنٹ علما بھی منہ تکتے رہ گئے اور

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جناب قائدِ اعظم کی جہد مسلسل اور علماء و مشائخ اہلِ سُنّت کی مشترکہ جدوجہد سے دشمن کی ہر نئی چال کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مثل مشہور ہے کہ "سورج کو انگلی سے چھپایا نہیں جا سکتا"۔ بعینہٖ اسی طرح "مسلم لیگ" کے علاوہ علماء و مشائخ اہلِ سُنّت کے عمل و کردار، تاریخی واقعات اور حقائق سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ الحمدللہ! اہلِ سُنّت وجماعت (حنفی بریلوی عقائد) کے لوگوں کا سر آج فخر سے اُونچا ہے کہ اُنھوں نے اپنے رہنما کی تعلیمات کی روشنی میں تحریکِ پاکستان کو کامیاب کرنے میں بھرپور حصّہ لیا ہے۔

بریلوی مسلک

بعض لوگ جو مخالفین کے معاندانہ پروپیگنڈے سے متاثر ہیں، خیال کرتے ہیں کہ بریلوی کوئی علیحدہ مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور مولانا احمد رضا خاں اس کے بانی ہیں حالانکہ یہ بات قطعاً درست نہیں ہے۔ بریلوی خالص حنفی سُنّی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اصل میں بات یہ تھی کہ حضرت علی ہجویری گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسرے صوفیائے کرام نے ہندوستان میں آکر دینِ اسلام کی تبلیغ

شروع کی اور اُن کے عمل و کردار اور تعلیمات کی روشنی میں لاکھوں ہندو حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان صوفیاءِ عظّام کے ساتھ ساتھ علماءِ کرام نے بھی بھرپور تبلیغ کی۔ چونکہ یہ تمام بزرگانِ دین حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تھے اِس لیے ہندوستان میں اکثریت حنفیوں کی ہی ہوئی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خالص حنفی مسلک کی بے حد خدمت کی۔ درس و تدریس، وعظ و تقریر اور اپنی گراں مایہ تصانیف سے اِسی مسلک کو فروغ دیا۔

اٹھارویں صدی کے شروع میں نجد سے ایک تحریک اُٹھی جس کا نام مؤرخین نے "وہابی تحریک" رکھا ہے۔ اِس تحریک کا بانی عبدالوہاب نجدی تھا۔ اِس نے اپنے ذہن سے ہی چند خیالات کو جنم دیا اور پھر اُن کے مطابق تبلیغ شروع کی۔ وہابی تحریک کے نظریات چونکہ بہت خطرناک تھے اور تمام مسلمان اِن کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اِس لیے عبدالوہاب نجدی کو شروع شروع میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی تاہم اُس نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ اُس نے مسلمانوں کے ذہن

میں یہ بات ڈالنے کی کوشش کی کہ حجاز مقدس میں صحابۂ کرام کے مزارات ہیں۔ دُنیا بھر کے مسلمان عقیدت کے ساتھ آکر اِن مزارات کی زیارت کرتے ہیں۔ ابنِ عبدالوہاب نجدی کے نزدیک مزارات پر جانا اور اُن کی زیارت کرنا شرک تھا، اِس لیے اُس نے اِن مزارات کو مسمار کرانے کا نظریہ پیش کیا کہ اس طرح سے مسلمان شرک کرنے سے بچ جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

بدقسمتی سے ہندوستان کے خانوادہ ولی اللٰہی کے ایک فرد مولوی اسماعیل دہلوی نجدی وہابی نظریات سے سخت متاثر ہو گئے۔ اُنھوں نے ہندوستان میں ابن عبدالوہاب نجدی کی طرح کا کردار ادا کرنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اس سرزمین پر بھی "وہابی تحریک" شروع ہو گئی۔ مولوی اسماعیل نے شیخ نجدی کی کتاب کا ترجمہ کیا جو تقویۃ الایمان کے نام سے چھپا۔ اس کتاب کے نام سے عام اندازہ ہو جاتا ہے کہ شیخ نجدی کی اِس کتاب کے ہندوستان میں آنے سے پہلے ایمان کو قوّت دینے والی کوئی کتاب موجود نہ تھی اور نہ ہی کوئی عالمِ دین موجود تھے کہ وہ مسلمانوں کو سیدھے راستے پر چلاتے۔ اِس رسوائے زمانہ

کتاب کے منظرِ عام پر آنے سے حنفی سُنّی مسلک کو زبردست نقصان پہنچا۔ اُس وقت علمائے حق میدانِ عمل میں اُتر آئے اور اُنھوں نے وہابی نجدی تحریک کی دل کھول کر مخالفت کی اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اِس تحریک کے جال میں پھنسنے سے باز رکھا۔ ان میں علامہ فضلِ حق خیر آبادی کا نام سرِ فہرست ہے۔ علامہ موصوف نے وہابی نظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان کے علاوہ علامہ منوّر الدین دہلوی (مولانا ابوالکلام آزاد کے پرنانا)، علامہ فضلِ رسول بدایونی، علامہ مخصوص اللہ محدّث دہلوی (حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بھتیجے)، حضرت علامہ محمد موسیٰ دہلوی (حضرت شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے)، علامہ خیر الدین (مولانا ابوالکلام آزاد کے والد)، علامہ نقی علی خاں، (اعلیٰحضرت کے والد)، اور کئی دوسرے علمائے کرام نے نجدی نظریات کی مخالفت کی اور ہر سطح پر ان نظریات و عقائد کا ردّ فرمایا۔ سینکڑوں کتابیں لکھیں اور دن رات وعظ و تقریر کے ذریعے نجدی طوفانِ بے تمیزی سے سیدھے سادھے مسلمانوں کو باخبر کیا۔ مگر اس کوشش کے باوجود نجدی وہابی عقائد ہندوستان میں جگہ پا گئے اور بہت

سے علماء بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اعلیٰحضرت عظیم البرکت نے علماءِ سلف اور بزرگانِ دین کی ہی راہ پر چل کر نجدی فتنے کے خلاف جہاد کیا۔ آپ نے انتہائی کوشش کی کہ نجدی عقائد کو حنفی سُنّی مسلک میں سے نکال کر بے نقاب کیا جائے۔ آپ چونکہ چوٹی کے عالم تھے اس لیے آپ نے دینی فریضہ سمجھ کر زندگی بھر اپنے وعظ و تقریر، تصنیف و تالیف کے ذریعے نجدی عقائد کا ردّ فرمایا اور یوں ناموسِ مصطفیٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی حفاظت کی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خالص مذہب میں نجدّیت کی ملاوٹ نہ ہونے دی۔ آپ نے اِس عظیم کام کو بڑے شدو مد اور انتہائی محنت سے سرانجام دیا۔ مخالفین آپ کا مقابلہ تو نہ کر سکے اور نہ ہی سینہ تان کر سامنے آسکے البتہ اُنھوں نے پسِ پُشت طرح طرح کے الزامات لگا ڈالے۔ اور مشہور کر دیا کہ بریلوی کوئی علیحدہ مسلک رکھتے ہیں، حالانکہ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو بریلوی مسلک خالص حنفی سُنّی مسلک ہے۔ البتہ بریلوی مسلک سے ہٹ کر دوسرے چھوٹے چھوٹے مسلک ایسے ہیں کہ جتنی جلد وہ اپنی اصلاح

کرلیں بہتر ہے۔ اس طرح وہ جماعت سے کٹ کر فرقے بن چکے ہیں اور فرقہ بننے کی مذمت آئی ہے۔

اعلیٰحضرت کے وصال کے بعد سے اب تک نجدیت وہابیّت کے خلاف بھی اسی طرح کام ہو رہا ہے جس طرح کہ اُن کی حیات میں کام انجام پا رہا تھا۔ افسوس کہ تاریخ سے سبق لینے کی بجائے بعض لوگ آنکھیں بند کر کے خالص اہلِ سُنّت کے عقائد میں نجدیّت کی ملاوٹ کرنے کے لیے کوشاں ہیں اور اہلِ سُنّت پر اوچھے ہتھیاروں سے حملے کر رہے ہیں۔ مگر اُنھیں یاد رہنا چاہیے کہ 'حق' باقی رہنے کے لیے ہے البتہ 'باطل' بالآخر مٹ کر رہے گا۔ انشاء اللہ ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا (رضا)

معاشی نظریات

گذشتہ چند سال میں سوشلزم کا نعرہ لگا تو پاکستان کے ہر خاص و عام نے معاشیات کے موضوع پر سوچنا شروع کر دیا اور آج تک اِس پر بہت کچھ سوچا اور کہا جا چکا ہے۔ مگر جس وقت اعلیٰحضرت نے معاشیات

کے بارے میں اپنے جامع نظریات پیش کیے اُس وقت یہ موضوع سوچ، بچار اور توجہ کا مرکز نہ تھا۔ اگر اُس دور کی ہندوستانی یونیورسٹیوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معاشیات کے طالب علم بھی برائے نام نظر آتے ہیں۔ اصل میں انگریزوں نے معاشیات کے موضوع پر برِّعظیم کے لوگوں کی توجہ مبذول ہونے ہی نہیں دی۔ بلکہ عوام کے ذہنوں میں نوکری کا ذوق اور بخشیش، کا چسکا ڈال دیا۔ اُس دَور کے ملازم آج بھی انگریزوں کی بخشیش کا ذکر بڑے فخریہ انداز میں کرتے ہیں۔ آپ نے ایسے وقت میں بھی قومی بدحالی کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے قوم کی ترقی و خوشحالی کے لیے معاشیات کا نظریہ پیش کر کے ہندوستان کے مسلمانوں پر ایک اور احسان فرمایا۔ آپ نے اِن معاشی نظریات کی ترویج کے لیے ایک رسالہ "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" لکھا جو ۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے شائع ہُوا۔ اِس رسالے میں آپ نے معاشیات کے چار اہم نکات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ وہ نکات درج ذیل ہیں :۔

۱۔ اُن اُمور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے، مسلمان

اپنے معاملات باہم فیصل کریں۔ تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔

۲۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بنک کھولیں (بلا سود)

۳۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

۴۔ علمِ دین کی ترویج و اشاعت کریں۔

اب ان درج بالا چاروں نکات پر قدرے تفصیل سے بحث کی جاتی ہے اور مشکل الفاظ کو بھی آسان کر کے لکھا جاتا ہے تاکہ اصل مفہوم سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

۱۔ پہلے نکتے کا مطلب یہ ہے کہ مقدمات میں اُلجھ کر اپنی دولت کو ضائع نہ کیا جائے بلکہ مسلمان خود ہی مل بیٹھ کر فیصلے کر لیا کریں تاکہ اُن کا روپیہ غلط راستے پر خرچ ہونے سے بچ سکے اور وہ روپیہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ ہو سکے۔ پھر اس نکتے میں خاص بات ہے "پس اندازی"، اس کا مطلب ہے کہ جو روپیہ گھریلو ضروریات سے بچ جائے تو اُسے محفوظ کر لیا جائے یعنی اس نکتے میں بچت کا اُصول موجود ہے جو

معاشیات کا ایک اہم اصول ہے۔ اس کے تحت فضول خرچی سے بچا جا سکتا ہے کیونکہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے کہ فضول خرچی کرنے والا شیطان کا بھائی ہے اور شیطان اللہ تعالیٰ کا ناشکرا ہے۔ آپ نے اِس نکتے میں یہ احساس بھی دیا ہے کہ اگر بچت ہو گی تو وہ رقم کسی کاروبار میں لگ جائے گی اور ظاہر ہے کہ کاروبار سے اگر کسی شخص کو ذاتی طور پر فائدہ ہو گا تو اُس سے دوسرے مسلمانوں کو بھی بہر صورت فائدہ ہی پہنچے گا۔ مسلمان کا روپیہ مسلمان کے ہاتھ میں ہی واپس لوٹ آئے گا اور ہندوؤں کی تجوریوں میں جانے سے بچ جائے گا۔

۲۔ دوسرے نکتے میں مالدار مسلمانوں کو آپ دعوت دے رہے ہیں کہ وہ بنک کھولیں تاکہ اُس سے عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ یاد رہے کہ اُس وقت ہندوستان میں انگریزوں اور ہندوؤں کے بنک تھے اور مسلمانوں کا روپیہ ان ہی بنکوں میں جمع ہوتا تھا جس سے وہ خوب فائدہ اُٹھاتے تھے۔ ۱۹۴۰ء تک ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی بنک نہ تھا۔ نیز یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ آپ سودی کاروبار کے بنک کے مخالف تھے جس کا ذکر آپ نے علیحدہ

طور پر کئی کتابوں اور رسالوں میں کر دیا ہُوا ہے ۔ اُن کے ذہن میں غیر سودی کاروبار والا بنک تھا ۔ الحمد للہ! آج کل ایسے غیر سودی کاروبار والے بنک کے اجرا کے بارے میں ماہرین اقتصادیات سوچ ، بچار کر رہے ہیں ۔ حضرت قائد اعظم نے بھی مسلمانوں کے لیے علیحدہ بنک کی ضرورت کو بہت محسوس کیا اور اُن ہی کی تحریک پر حبیب بنک قائم ہوا ۔ پھر بعد میں مسلم کمرشل بنک وغیرہ ۔ ملک کی تعمیر و ترقی میں بنک بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔ اس لیے آپ نے بہت پہلے سے ہی سوچ لیا تھا کہ جب تک مسلمانوں کے اپنے بنک نہ ہوں گے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکیں گے اور ہمیشہ ہندو مہاجن کے چُنگل میں پھنسے رہیں گے ۔

۳ ۔ تیسرا نُکتہ بالکل واضح ہے کہ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی اور سے کچھ نہ خریدیں ۔ یعنی آپ نے مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ ہندوؤں ، سکھوں اور دوسرے غیر مسلم دکانداروں وغیرہ سے لین دین نہ کریں ۔ خرید و فروخت کرو تو مسلمانوں کے ساتھ تاکہ مسلمان کی چیز مسلمان ہی کے پاس جائے خواہ وہ روپیہ ہو ، جائداد یا کوٹھی وغیرہ ہو ۔ کیونکہ روزگار

اور تجارت کے میدان میں ہندو مسلمانوں سے بہت آگے نکل چکے تھے۔ ہندو سود خوار ہمیشہ اس تاک میں رہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ دولت کس طرح حاصل کی جائے۔ مسلمانوں کو اس میدان میں کوئی تجربہ نہ تھا اور اگر مسلمان تجارت کرنا بھی چاہتے تو ہندو اپنے مال و دولت اور ذہنی شیطنت سے اسے ناکام بنا دیتے۔ آپ نے اس خطرے کو بروقت محسوس کیا اور مسلمانوں کو صاف صاف بتا دیا کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ باہمی معاشی معاملات قائم کرو اور عملی طور پر ہندوؤں سے معاشی بائیکاٹ کر دو کہ اسی میں تمہاری مالی خوشحالی کا راز مضمر ہے۔

۴۔ چوتھا نکتہ کہ "علم دین کی اشاعت کریں" بہت اہم ہے۔ مسلمان کے لیے دین کو سب معاملات پر اوّلیت حاصل ہے۔ اُس دور میں انگریزوں کی ٹھونسی ہوئی تعلیم اور تہذیب زوروں پر تھی۔ لوگ انگریزی تعلیمات کی طرف توجہ دے رہے تھے۔ آپ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر انگریزی تعلیم اور انگریزوں کے طور طریقوں کو اپنا یا گیا تو مسلمان اپنے مذہب سے ہی دُور ہو جائیں گے۔ چنانچہ بعد کے واقعات و

حالات نے آپ کے اِس اندیشے کو سچ کر دکھایا مگر جب جناب قائدِ اعظم نے اسلام کے نام پر ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جانے کی دعوت دی تو اُس وقت لوگوں نے اِس سازش کو محسوس کر لیا اور پھر دل و جان سے اسلامی تعلیمات کو قبول کرتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے اور آخر کار اپنی جدوجہدِ آزادی میں کامیاب ہو گئے۔ اِن معاشی نکات کی وضاحت کے بعد بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کی دُور رس نگاہ کہاں کہاں مسلمانوں کے حالات دیکھ رہی تھیں۔ بلاشُبہ آپ کی بر وقت معاشی رہنمائی ایک عظیم کارنامہ ہے۔

حافظہ آپ کا حافظہ بے مثال تھا۔ مولانا احسان حسین ابتدائی تعلیم میں آپ کے ہم سبق تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ نے اُستاذ سے کبھی بھی کوئی کتاب ایک چوتھائی سے آگے نہیں پڑھی۔ اِس قدر کتاب اُستاذ سے باقاعدہ پڑھنے کے بعد بقیہ کتاب خود ہی پڑھ کر اور یاد کر کے استاذ کے سامنے سُنا دیا کرتے تھے۔

(آپ کے ایک شاگرد حضرت سیّد محمد محدث کچھوچھوی جو فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کر رہے تھے) وہ فرماتے ہیں کہ "ایک دفعہ درتے

کی تقسیم کے سلسلے میں پندرہ واسطوں سے وارثوں کا ایک استفتا آ گیا۔ مجھے اُس کی ترتیب اور جواب لکھنے میں دو راتیں اور ایک دن متواتر محنت کرنا پڑی۔ عصر کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ جو کچھ حساب میں کر چکا تھا وہ آپ کے سامنے بیان کر دوں اور جہاں کہیں اصلاح کی ضرورت ہو اصلاح بھی ہو جائے۔ میں نے اپنا جواب آپ کے سامنے پڑھنا شروع کیا اور اُدھر آپ اپنی اُنگلیوں پر کچھ حساب کیے جا رہے تھے۔ میں نے پورا استفتا جو دو فل سکیپ کاغذ کے دو صفحوں پر مشتمل تھا، پڑھ کر سُنایا اور حصّہ داروں کے لیے علیحدہ علیحدہ حصّے کو ابھی تک بیان نہیں کیا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ فلاں حصّہ دار کو اتنا حصّہ اور فلاں کو اتنا حصّہ ملے گا۔ یہ دیکھ کر میری حیرانگی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ جو حساب میں نے دو راتوں اور ایک دن میں لکھ کر مکمل کیا وہ آپ نے چند منٹوں میں کر لیا جو بالکل درست تھا"۔ ان دو واقعات کے علاوہ بھی کئی اور واقعات کی نشاندہی ہوئی ہے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوی حافظہ عطا کیا ہوا تھا۔

حلیہ آپ کا جسم کمزور اور لاغر تھا۔ اس کا سب سے بڑا سبب

یہ تھا کہ آپ ریاضت و عبادت میں زیادہ وقت گذارتے۔ دن کے وقت آپ کے ہاتھ میں قلم اس قدر چلتا کہ نہ آپ کے ہاتھ تھکتے اور نہ ہی آپ قلم کو چھوڑتے بلکہ مسلسل لکھتے ہی رہتے۔ اگرچہ بظاہر جسم کمزور تھا مگر ذہن بہت تیز تھا۔ آپ کے عقل و دماغ کی طاقت ترقی کرتی جاتی تھی۔ بدن میں اکثر درد اٹھتے۔ کبھی سر درد، کبھی کندھوں میں درد، کبھی گردن میں درد، کبھی معدے میں سے درد نکلتے رہتے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ یہ درد زبان اور ہاتھ کو اپنے کام سے روکنے کا باعث نہیں بنے۔

غذا

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے مطابق کہ زندگی بندگی کے لیے ہے جبکہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ زندگی کھانے پینے کے لیے ہے، آپ بہت کم غذا کھاتے تھے۔ آپ کی عام غذا چکی کے پسے ہوئے آٹے کی روٹی اور بکری کا شوربا تھا۔ آخر عمر میں آپ کی غذا اور بھی کم رہ گئی تھی یعنی ایک پیالی بکری کا شوربا بغیر مرچ کا اور صرف ایک یا ڈیڑھ بسکٹ۔ رمضان شریف میں آپ افطار کے بعد پان کھاتے اور سحری کے وقت صرف ایک پیالے میں

فیرنی اور ایک پیالے میں چینی استعمال کر لیا کرتے۔

عادات

آپ ہفتے میں دو بار یعنی جمعہ اور منگل کو کپڑے تبدیل کرتے۔ ہاں اگر جمعرات یا ہفتے کو عید یا میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا دن ہوتا تو کپڑے تبدیل کر لیتے۔ نمازِ عصر کے بعد پھاٹک میں چارپائی پر تشریف رکھتے اور چاروں طرف کرسیاں رکھ دی جاتیں۔ اسی وقت میں عام لوگوں سے ملاقات بھی کرتے۔ لوگ آپ سے مسئلے دریافت کرتے۔ آپ خطوط کے جوابات لکھواتے اور استفتا کے جوابات بھی قلمبند کراتے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں کسی مسئلہ پر گفتگو کے دوران میں اگر کوئی بات کاٹتا تو بہت ناراض ہوتے۔ میلاد شریف کی محفلوں میں دو زانو ہو کر بیٹھتے اور وعظ کرتے وقت بھی یہی طریقہ رہتا۔ ٹھٹھا مزاح کبھی نہ کرتے۔ بغیر صوف پڑی روشنائی سے لکھنا پسند نہ کرتے۔ یوں ہی لوہے کی نب سے پرہیز کرتے۔ خط بنواتے وقت اپنا کنگھا اور شیشہ استعمال کرتے۔ آخری عمر میں آپ نے پان کھانا بھی چھوڑ دیا تھا۔

ایک دفعہ آپ کو خادم نے خط لا کر دیا جس میں کسی گستاخ نے

آپ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے ہوئے تھے اور اِس حرکت سے اپنی حماقت کا ثبوت دیا ہوُا تھا۔ خادم اس خط لکھنے والے پر سخت ناراض تھا۔ آپ اس کی یہ حالت دیکھ کر اندر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد چند لفافے ہاتھ میں اُٹھا لائے اور اُس خادم کے سامنے لاکر رکھ دیئے اور کہا کہ اِن کو بھی پڑھو۔ اُن سب خطوط میں آپ کی بیحد تعریف لکھی ہوئی تھی۔ جب وہ پڑھ چکا تو فرمایا کہ شیطان صفت رکھنے والے چند ہی لوگ ہوا کرتے ہیں اور انسانی عادت رکھنے والے بہت ہوتے ہیں۔ لہٰذا تم کو اس کا کچھ بُرا نہ منانا چاہیے۔ آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہ لیا۔ آپ سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے۔ کوئی چیز لیتے یا دیتے تو اُس کے لیے دایاں ہاتھ بڑھاتے۔ کبھی قہقہہ نہ لگاتے بلکہ تبسّم فرماتے۔ آہستہ آہستہ چلتے۔ نگاہیں نیچی رکھتے۔

اولادِ امجاد

آپ کی اولاد میں دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۲ھ) اور چھوٹے صاحبزادے حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب مدظلہ العالی ہیں جو

اعلیٰ حضرت قدس سرّہ کے سجادہ نشین اور بھارت کے مفتی اعظم ہیں۔ علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں بے مثال ہیں۔ حضرت مفتی اعظم ہند سے سلسلۂ قادریہ رضویہ کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی ہے۔ تادم تحریر بیس لاکھ خوش نصیب اُنکا دامن پکڑ کر حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی غلامی کا پٹہ اپنی گردنوں میں ڈال چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں سلامت باکرامت رکھے آمین!

وصیّتیں

وفات سے کچھ وقت قبل عین نزع کے عالم میں آپ نے چند وصیّتیں فرمائی ہیں جن کا ذکر تبرکاً درج ذیل ہے:۔

آپ نے فرمایا کہ: ۱۔ رونے والے بچّوں کو دُور رکھا جائے۔ ۲۔ روح قبض ہو جانے کے بعد فوراً آنکھیں بند کردی جائیں اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیئے جائیں۔ ۳۔ بسم اللہ علیٰ ملتہ رسول اللہ، کہہ کر نزع میں ٹھنڈا پانی پلایا جائے۔ ۴۔ رونا بالکل منع فرما دیا۔ ۵۔ غسل سُنّت کے مطابق دیا جائے۔ ۶۔ مولانا حامد رضا خاں قادری فتاویٰ میں لکھی ہوئی دعائیں یاد نہ کر سکیں تو مولانا امجد علی نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ ۷۔ جنازے کے دفنانے میں بلا وجہ دیر نہ کی جائے۔

۸۔ جنازے کے آگے آگے اُن کی نعت "تم پر کروڑوں دُرود" پڑھی جائے۔

۹۔ میری تعریف یا مدح کا کوئی شعر اِس موقع پر ہرگز نہ پڑھا جائے۔ ۱۰۔ قبر میں آہستہ آہستہ اُتاریں۔ ۱۱۔ دفن کرنے کے بعد قبر کے سرہانے کی طرف الٓمٓ تا مفلحون پڑھی جائے۔

اور پائنتی کی طرف امن الرسول آخیر تک پڑھی جائے۔ تین دن تک دن رات بلند آواز سے قرآنِ پاک اور درود شریف پڑھایا جائے تاکہ اس نئے مکان میں ان کی برکت سے دِل لگ جائے۔

وفات آپنے چار ماہ قبل ہی آیت مبارکہ "ویطاف علیھم بانیۃ من فضۃ واکواب" سے اپنی وفات کی تاریخ نکال لی تھی۔ آیت مذکورہ کا ترجمہ یوں ہے: خادم چاندی کے کٹورے اور گلاس لیے اُنکو گھیرے ہوئے ہیں۔ اس آیت کریمہ کے اعداد ۱۳۴۰ ہیں اور یہی سال آپکی وفات کا ہے۔ وفات کے روز جب کہ ۲ بجنے میں ۴ منٹ باقی تھے کہ آپنے وقت پوچھا تو بتایا گیا کہ اس وقت ۱ بجکر ۵۶ منٹ ہو گئے ہیں۔ فرمایا کہ گھڑی یہیں رکھ دو۔ پھر فرمایا کہ تصویر ہٹا دو۔ وہاں پر موجود لوگوں نے خیال کیا کہ یہاں پر تصویریں کہاں ہیں؟ یہ خدشہ ابھی گزرا ہی تھا کہ خود ہی فرمایا کہ یہی کارڈ، لفافہ، روپیہ، پیسہ۔ کچھ وقفے کے بعد مولانا محمد رضا خاں سے فرمایا کہ وضو کر آؤ، قرآنِ عظیم لاؤ۔ ابھی وہ نہیں پہنچے تھے کہ اپنے چھوٹے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں سے پھر ارشاد فرمایا کہ اب بیٹھے کیا کر رہے ہو، سورہ یٰسین اور رعد شریف کی تلاوت شروع کر دو۔ آپنے ان دونوں سورتوں کی تلاوت پوری توجہ کیساتھ سنی۔ سفر کی تمام دعائیں جو احادیث سے ثابت ہیں پڑھیں۔ پھر پورا کلمہ طیبہ پڑھا اور سینے تک دم آنے پر بھی یہ ورد جاری رکھا۔ اس دوران میں حاضرین درود شریف کا باآواز بلند ورد کرتے رہے۔ پھر اچانک ہونٹوں کی حرکت بند ہو گئی اور یوں آپ نے نمازِ ظہر کے وقت یعنی ۲ بجکر ۳۸ منٹ پر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ (مطابق ۱۹۲۱ء) کو بروز جمعہ انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۝